طلاق کے تباہ کن اثرات

اسباب و نقصانات اور بچاؤ کا طریقہ

اس کتاب میں مندرجہ زیل مفید مضامین پر روشنی ڈالی گئی ہے: ☆ طلاق کے اسباب ☆ طلاق شریعت کی نظر میں ☆ زبردستی طلاق ☆ پاگل کی طلاق ☆ حلالہ ☆ طلاق کے تباہ کن مفاسد ☆ طلاق دینے کا صحیح طریقہ ☆ طلاق بزریعہ ٹیلیفون ☆ طلاق سے شوہر کا منکر ہونا ☆ اپنے خاوند سے طلاق یا خلع چاہنے والی کے حق میں وعید ☆ تحریری طلاق کا حکم ☆ ایک مجلس میں تین طلاق ☆ طلاق سے رجوع کرنا ☆ ظہار ☆ ایلاء ☆ لعان ☆ خلع ☆ عدت ☆ حق پرورش

مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب

نائب ناظم امارات شرعیہ رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی و سابق معین مفتی دار العلوم دیوبند

تعارف و تقریظ

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتی دار العلوم دیو بند

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صدر مدرس دار العلوم سبیل السلام

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ

۴۳۷/ ڈی گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی فون: 7216488 فیکس: 7223688

طلاق کے تباہ کُن اثرات

اسباب ونقصانات اور بچاؤ کا طریقہ

اس کتاب میں مندرجہ ذیل مفید مضامین پر روشنی ڈالی گئی ہے: ☆ طلاق کے اسباب ☆ طلاق شریعت کی نظر میں ☆ زبردستی طلاق ☆ پاگل کی طلاق ☆ حلالہ ☆ طلاق کے تباہ کن مفاسد ☆ طلاق دینے کا صحیح طریقہ ☆ طلاق بذریعہ ٹیلیفون ☆ طلاق سے شوہر کا منکر ہونا ☆ اپنے خاوند سے طلاق یا خلع چاہنے والی عورت کے حق میں وعید ☆ تحریری طلاق کا حکم ☆ ایک مجلس میں تین طلاق ☆ طلاق سے رجوع کرنا ☆ ظہار ☆ ایلا ☆ لعان ☆ خلع ☆ عدت ☆ حق پرورش

مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب

نائب ناظم امارت شرعیہ رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی وسابق معین مفتی دارالعلوم دیوبند

تعارف وتقریظ

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب (مفتی دارالعلوم دیوبند)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (صدر مدرس دارالعلوم سبیل السلام)

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ

۴۳۷/ڈی گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی فون 7216488 فیکس 7223688

باہتمام............ فہیم اشرف نور
اشاعت اوّل............ اگست ۲۰۰۲ء
تعداد............ ۱۱۰۰
ناشر............ ادارۃ القرآن کراچی

ملنے کا پتہ

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ
۴۳۷/ڈی گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی ۵
فون: ۷۲۱۶۴۸۸ فیکس/فون: ۷۲۲۳۲۸۸
برانچ آفس ☆ اردو بازار فرسٹ فلور گدوانی بلڈنگ کراچی فون: ۲۶۲۹۱۵۷
E-Mail: idaratulquran@yahoo.com

☆ دیگر ملنے کے پتے ☆

☆ دارالاشاعت اردو بازار کراچی ☆ ادارۃ المعارف دارالعلوم کراچی
☆ بیت القرآن اردو بازار کراچی ☆ بیت العلم۔علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
☆ صدیقی ٹرسٹ المنظر لسبیلہ چوک کراچی ☆ علمی کتاب گھر اردو بازار اوجھا روڈ کراچی
☆ ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔انارکلی لاہور ☆ بیت العلوم نابھہ روڈ پرانی انارکلی لاہور
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور ☆ مکتبہ رحمانیہ اقراء سینٹر اردو بازار لاہور
☆ یونیورسٹی بک ایجنسی قصہ خوانی پشاور ☆ مکتبۃ المعارف جنگی قصہ خوانی پشاور
☆ کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی ☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
ملک کے دیگر اہم کتب خانے

فہرست مضامین

د

طلاق کے سلسلہ میں ایک ضروری وضاحت

اسلام میں طلاق کی اجازت کیوں دی گئی

جن مذاہب میں طلاق کی اجازت نہیں ہے اس کے تباہ کن اثرات کا ایک جائزہ

طلاق کی زیادتی اور اس کے تباہ کن مفاسد

طلاق کے اہم اسباب

طلاق کا پہلا اہم سبب

یورپ میں طلاق کی وبا

طلاق کا دوسرا اہم سبب

طلاق کا تیسرا اہم سبب

طلاق کا چوتھا اہم سبب

طلاق کا پانچواں اہم سبب

طلاق کا چھٹا اہم سبب

طلاق کا ساتواں اہم سبب

ایک اہم انتباہ

طلاق کا اختیار شوہر کو کیوں دیا گیا

قرآن نے طلاق کے فعل کو ہر جگہ مرد ہی کی طرف منسوب کیا ہے

معاشرہ اور طلاق

کیا عورت طلاق واقع کرسکتی ہے

طلاق کی کچھ آسان صورتیں

لعان

خلع

عدّت

حضانت

ضمیمہ

تقریظ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، صدر مدرس و شیخ الحدیث، دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

شریعت میں جتنے احکام ہیں ان میں طلاق کا مسئلہ سب سے زیادہ نازک ہے، خدا نے مرد کے ہاتھ میں اس کی لگام اس لیے رکھی ہے کہ وہ نسبۃً تحمل، زیادہ قوتِ برداشت کا مالک اور قوتِ فیصلہ کا حامل ہوتا ہے۔ عورتیں جذباتی اور زود رنج ہوتی ہیں، اور فریضۂ مادری اور فریضۂ زوجیت ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ زیادہ حساس اور سریع التاثر ہوں: اس لیے یہ کیفیت ان کی فطرت میں ودیعت ہے۔ ــــ لیکن اگر مرد علم کے نور سے خالی ہوں، قوت برداشت سے محروم ہوں ــــ اور طلاق کو ایک مجبوری کی بجائے انتقام کا ہتھیار سمجھتے ہوں۔ تو پھر طلاق کا ناروا اور بے جا استعمال ہونے لگتا ہے۔ یہ بے جا استعمال خدا کی نگاہ میں اتنا ناپسندیدہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اس کی وجہ سے عرشِ الٰہی کے کنگرے ڈولنے لگتے ہیں اور شیطان کو اس پر اتنی مسرت ہوتی ہے کہ کسی اور عمل پر اس کو اتنی خوشی نہیں ہوتی۔

ہمارے موجودہ سماج میں اس کی وجہ سے خاندانوں کی جو تباہی و بربادی ہوتی ہے وہ تو ہے ہی، اسلام کے معاندین کو انگشت نمائی اور طعنہ زنی کا موقع بھی ہاتھ آتا ہے ــــ اس لیے ایسی کتاب ہی نہیں کتابوں کی ضرورت ہے۔ جو معاشرہ کی اس کمزوری کی اصلاح کر سکیں اور طلاق کے بارے میں اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دے سکیں، کہ طلاق جہاں ناپسندیدہ چیز ہے وہیں ایک ضرورت بھی ہے۔ اسی لیے آج دنیا کے تمام ہی قوانین نے طلاق کو تسلیم کیا ہے۔

پیشِ نظر کتاب اس موضوع پر نہایت مفید اور قیمتی اضافہ ہے، جس میں موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ہے، زبان بھی آسان ہے، مؤلف کتاب مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی نوجوان فضلاء میں معروف ہیں اور کوچۂ فقہ میں ابد پائی کو انہوں نے اپنا موضوع وشن بنایا ہے۔ بحث ونظر، مفاد نقیب جیسے رسائل وجرائد میں لکھتے رہتے ہیں؛ اور اس سے پہلے نکاح کے موضوع پر بھی مؤلف کی ایک کتاب طبع ہو کر شوق کے ہاتھوں لی گئی ہے؛ امید ہے کہ ان کی یہ کتاب بھی عوام وخواص کے لیے نافع ہوگی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسافر قلم کو رواں دواں رکھے اور ان کے ذریعہ علم وتحقیق کے سوتے جاگتے رہیں اور ان کی خدمات عند اللہ بھی مقبول ہوں ۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ

(حضرت مولانا) خالد سیف اللہ رحمانی !

نزیل —— قاضی محلہ، جالہ، ضلع، دربھنگہ، بہار، (ہند)

جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

تعارف ✪

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ، مفتی دارالعلوم دیوبند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰی

نکاح اور طلاق کے مسائل دن رات پیش آتے رہتے ہیں۔ دارالافتاء کے ریکارڈ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ملک میں عام طور پر تابل میاں بیوی میں ان بن ہوتی رہتی ہے اور شوہر کو جہاں غصہ آیا فوراً اس کی زبان پر طلاق کا لفظ بے ساختہ آگیا جھگڑا ہوا ماں باپ سے اور غصہ اتارا بیوی پر، اختلاف ہوا خسر اور خوش دامن سے اور طلاق دی بیوی کو۔ حد یہ ہے کہ بیوی کے بھائیوں میں سے کسی سے کوئی معمولی بات ہو گئی تو میاں چاہے گا بیوی کو علاحدہ کر دیں۔

اس ملک کی آب و ہوا گرم ہے اور اسی کے ساتھ بڑا طبقہ خوش حالی سے محروم ہے، شاید اسی وجہ سے بات بات پر غصہ دیکھا جاتا ہے اس پر ظلم یہ ہے کہ تین طلاق سے کم پر کوئی اکتفا نہیں کرتا۔ پھر جونہی غصہ فرد ہوا۔ اور بیوی پر نظر پڑی، دارالافتاء سے چاہتا ہے کہ حرام کو حلال کر دے، اور ناجائز کو جائز لکھ دے۔

اس سلسلہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے بیسوں پمفلٹ نکاح اور طلاق پر لکھ کر شائع کیے اور پورے ملک میں پھیلایا کہ مسلمانوں سے یہ بیماری ختم ہو مگر رفتار اب بھی وہی دیکھنے میں آتی ہے البتہ بعض علاقوں میں بہت کچھ اصلاح بھی ہوئی ہے۔

اس لیے ضرورت تھی کہ اس موضوع پر کوئی واضح اور پُر مغز کتاب آئے، تاکہ عام وخاص مسلمان اس غلطی سے پرہیز کریں، اور اسلامی نقطۂ نظر کو ذہن نشین کریں، دلی خوشی ہوئی کہ ہمارے عزیز مکرم مولانا مفتی نسیم اَحمد قاسمی سلمہٗ اللّٰہ نے پہلے "اِسلام اور نکاح" کے نام سے ایک کتاب لکھی، اب دوسری کتاب عزیز موصوف نے "اِسلام اور طلاق" کے نام سے مرتب کی ہے، خاکسار نے مسودہ دیکھا، کتاب پسند آئی، ترتیب دلپذیر، زبان شگفتہ وسلیس اور طریق بیان سنجیدہ ہے، جس سے کتاب میں ایک خاص جاذبیت پیدا ہو گئی ہے، ہر شخص اسے پڑھ کر خوش ہوگا جو اس راستہ سے ملت کی خدمت کے خواہش مند ہیں۔

کبھی کبھی سوچتا تھا کہ ہم لوگ عمر رسیدہ ہو گئے، اور یہ میدان خالی رہ جائے گا، مگر اپنے ایسے چند عزیزوں کی محنت اور علمی دلچسپی کو دیکھ کر اطمینان ہوا، کہ انشاء اللہ یہ کام ہمارے بعد بھی ہمارے عزیزانِ گرامی قدر انجام دیتے رہیں گے، اور ان عزیزوں کی جد وجہد سے مختلف موضوعات پر کتابیں آتی رہیں گی، اللہ تعالیٰ ان کی عمریں دراز فرمائے اور استقامت عطا کرے،

آخر میں دعا ہے ربّ العالمین، برادرِ عزیز کی یہ خدمت قبول فرمائے، اور ان کی تصنیفات کو ان کے لیے زادِ آخرت بنائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

طالبِ دعاء!

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ

(مفتی دار العلوم دیوبند)

پیش لفظ

از: ـــــ مولانا انیس الرحمٰن قاسمی نائب قاضی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ

معاشرتی زندگی کی بنیاد نکاح ہے اس لیے اللہ تعالیٰ شانہ نے نکاح اور اس کے متعلقات طلاق، خلع، ایلاء اور مہر وغیرہ کے احکام قرآن کریم میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور یہ تفصیل ایسی ہے کہ اس کے بالمقابل عبادات مطلقہ نماز روزہ، زکوٰۃ اور حج کے احکام میں اجمال محسوس ہوتا ہے، اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا تقریبا نصف حصہ معاشرتی زندگی کے احکام وفضائل پر مشتمل ہے لیکن اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے معاشرتی زندگی کے احکام ومسائل پر اس تاکید وترغیب کے باوجود امت مسلمہ کی بے علمی وبے عملی کا زیادہ شکار اسلام کا یہی حصہ ہے اور ان احکام ومسائل کے جاننے اور اس پر عمل کر کے معاشرتی مشکلات سے بچنے کا طریقہ امت کے ایک بڑے طبقہ نے عرصہ سے چھوڑ رکھا ہے۔

ایک مدت سے اردو زبان میں ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، جو طلاق اور اس کے متعلقہ مسائل خلع، ظہار، ایلاء، فسخ اور عدت پر مشتمل وحاوی ہو۔ جس میں طلاق سے متعلق عصر حاضر کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا صحیح ومدلل جواب بھی ہو اور طلاق کی حکمت کا بیان بھی، الحمدللہ رفیق محترم مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی (ہند) نے

اس کتاب میں طلاق کے ان تمام موضوعات کا احاطہ کر کے امت کے لیے بہترین و لائق تشکر تحفہ پیش کیا ہے، مفتی صاحب فاضل نوجوان اور ہندستان میں جدید فقہی مسائل کا حل تلاش کرنے والے کارواں کے اہم رکن اور فقہ وتحقیق کے دریا کے شناور ہیں، ان کے قلم کا رنگ تحقیقی اور اندازِ تحریر آسان وشگفتہ ہوتا ہے، ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب ہمارے معاشرہ کو صحیح راہ پر لانے میں اہم تحریک پیدا کرے گی، یہ کتاب طبقہ خواص وعوام، علماء اور نئی نسل کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے یکساں مفید ہے،

اللہ تعالیٰ حضرت مؤلف کے قلم کو ہمیشہ رواں رکھے، تاکہ علم وتحقیق کے چشمے جاری رہیں، اور امت مستفید ہوتی رہے، آمین یارب العالمین

عرضِ مؤلف

شوال ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۵ء کو راقم الحروف اپنی تعلیم کی تکمیل کے ارادہ سے ایشیاء کی عظیم اسلامی یونیورسیٹی دارالعلوم دیوبند گیا. اللہ کے فضل وکرم سے سال ہفتم میں داخلہ ہوا، اور وہاں کے اساتذہ، علوم اسلامی کے متخصصین اور معروف اسکالروں سے استفادہ کا موقع ملا، شعبان ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی، فضیلت کے بعد شوال ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۷ء میں دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، افتاء کی تکمیل کے بعد ۱۴۰۷ھ ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء ۱۹۸۹ء میں دارالافتاء میں "معاون مفتی" کی حیثیت سے فقہ وفتاوٰی پر کام کرنے اور حضرات مفتیان کرام سے استفادہ کا موقع ملا، اس دوران مختلف موضوعات پر تحقیق ومطالعہ کا موقع ملا اور بعض موضوعات پر کچھ لکھنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔

شروع ہی سے راقم الحروف کا رجحان یہ رہا ہے کہ اس وقت ہندوستانی مسلم معاشرہ جن مشکلات اور مسائل سے دوچار ہے ان مشکلات سے معاشرہ کو نجات دلانے اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل کی راہ میں حائل دشواریوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے اور معاشرہ میں جو غیر شرعی رسوم رائج ہیں، جن سے معاشرہ تباہ وبرباد ہو رہا ہے ان سے معاشرہ کو پاک کرنے

کی نذر کی جانے ـــــــ نکاح جسے اسلام نے نہایت ہی
آسان قرار دیا تھا، وہ آج ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے معاشرہ کے لیے ایک
اہم مسئلہ اور زحمت بن کر رہ گیا ہے۔ نکاح سے متعلق اسلامی ہدایات
لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ جہیز تلک کی لعنت پوری ملت کو تباہ کر رہی ہے
خودکشی، خودسوزی اور لڑکیوں کو جلانے کے واقعات اخباروں کی سرخیاں
بن رہے ہیں۔

موجودہ مسلم معاشرہ کو سامنے رکھ کر راقم الحروف نے دارالعلوم دیوبند
کے زمانۂ قیام میں "اسلام اور نکاح" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی،
جس میں کتاب وسنت کی روشنی میں نکاح کا اسلامی طریقہ، اس سلسلہ میں
اسلامی ہدایات، رشتۂ نکاح کے انتخاب کا شرعی معیار، جہیز وتلک کی سماجی
اور معاشرتی برائیاں، نقصانات اور مفاسد، مہر، ولیمہ کے مسائل اور عورتوں کے
حقوق پر تفصیل سے گفتگو کی گئی تھی ـــــــ یہ کتاب میرے مخلص دوست
مولانا صدر الحسن صاحب قاسمی امام اور خطیب جامع مسجد تالاب کھٹیکان کے
مالی تعاون سے دسمبر ۱۹۸۸ء میں قاسمی کتب خانہ جموں توی سے شائع ہوئی۔

دارالعلوم دیوبند کے معزز اساتذہ کرام، مولانا ریاست علی بجنوری
ناظم تعلیمات، مفتی محمد ظفیر الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند، اور مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی
مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند نے تقریظات لکھ کر کتاب کی اہمیت میں اضافہ
فرمایا۔ "اسلام اور نکاح" راقم کی پہلی باضابطہ علمی کاوش تھی، مگر اللہ کا فضل
ہے کہ کتاب عوام وخواص میں مقبول ہوئی، اور ملک کے اہم اور موقر رسائل
وجرائد ہفت روزہ نقیب "امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ماہنامہ" افکار ملی" نئی دہلی،

اور ہفت روزہ الجمیعۃ "جمیعۃ علماء ہند" دہلی نے بڑے قیمتی تبصرے کیے۔ اور اہل علم کی طرف سے مؤلف کی اس علمی کاوش کو سراہا گیا ——— حال ہی میں پاکستان کے شہر ملتان سے طیب اکیڈمی نے نہایت ہی اہتمام اور عمدہ گٹ اپ کے ساتھ اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے، فالحمد للہ علی ذالک۔

"اسلام اور طلاق" راقم کی دوسری تالیف ہے ——— طلاق کے موضوع پر اگرچہ میں دیوبند ہی کے زمانۂ قیام میں کام شروع کر چکا تھا۔ اور ایک حد تک کام مکمل بھی ہو چکا تھا، مگر اس وقت اس کی طباعت کی طرف توجہ نہیں دی گئی دیوبند سے راقم حضرت قاضیٔ شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی سکریٹری جنرل اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے حکم پر پھلواری شریف آگیا۔ حضرت قاضی صاحب دامت برکاتہم کی زیر نگرانی کام کرنے اور ان کے ہمہ جہت علمی کمالات سے استفادہ کا موقع ملا ——— اور بعض اہم موضوعات پر لکھنے کا بھی موقع ہاتھ آیا۔ اس دوران خیال آیا کہ طلاق کے موضوع پر جتنا کچھ لکھا جا چکا ہے اس پر نظر ثانی کر کے اور چند ابواب جو باقی رہ گیے تھے انہیں لکھ کر اسے باضابطہ کتابی شکل میں "اسلام اور طلاق" کے نام سے چھپوا دیا جائے، اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے اس نے اپنے فضل سے اس کی طباعت واشاعت کا انتظام فرما دیا۔ اور اب یہ کتاب نذر قارئین ہے ——— یہ کتاب میں نے مسلم معاشرہ کو سامنے رکھ کر لکھی ہے، اس کی زبان آسان سے آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ عوام وخواص کے لیے استفادہ آسان ہو۔ اس کتاب میں طلاق کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے علاوہ طلاق کے باب میں کی جانے والی کوتاہیوں اور جن اسباب و وجوہات کی بناء پر طلاق کی وبا عام ہے ان کی نشاندہی

کر کے معاشرہ کو طلاق کے بے جا اور غلط استعمال کے نقصانات اور مفاسد سے بچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ لعان، ظہار، ایلاء، خلع عدت اور حضانت کے مسائل پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، کتاب کی تالیف میں کتاب و سنت سے استفادہ کے علاوہ مستند فقہی کتابوں سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے، کتاب کیسی ہے اس کا فیصلہ خود قارئین کرام کریں گے۔ اہل علم اگر کہیں پر مؤلف کی لغزش محسوس کریں تو براہ کرم مؤلف کو مطلع کریں تاکہ اس کی اصلاح کی جا سکے، میں ان کا ممنون ہوں گا۔

میں اس موقع پر مخلص و کرم فرما مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صدر مدرس و شیخ الحدیث دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر مسودہ پر نظر ثانی فرما کر اپنے مفید مشوروں اور اصلاحات سے نوازا، اور پیش لفظ لکھ کر حوصلہ افزائی فرمائی۔

اپنے رفیق درس اور مخلص مفتی جنید عالم قاسمی اور مفتی سہیل احمد قاسمی مفتیانِ امارت شرعیہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے بھی اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر جناب مولانا انیس الرحمٰن قاسمی کا شکریہ ادا نہ کیا جائے، موصوف ہی درحقیقت اس کتاب کی اشاعت کا ذریعہ بنے ہیں، ان کی ذات سے مختلف ملی اور دینی کام انجام پا رہا ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی خدمات کو قبول فرمائے اور ملت کو ان سے زیادہ سے زیادہ نفع

پہونچائے۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مؤلف کی اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے، ملت کو اس سے نفع پہونچائے اور اس کتاب کو مؤلف اور اس کے والدین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

میں اس موقع پر محترم جناب مولانا حافظ وصی احمد صاحب امام جامع مسجد نوپاڑہ' باندرہ' اور جناب مولانا انصار الحق قاسمی صدر مدرس مدرسہ فدائیان رسول گورے گاؤں (ممبئی) کا خاص طور پر شکر گزار ہوں کہ ان حضرات کی توجہ سے جناب رحمت اللہ محمد نور خان صاحب باندرہ اور ان کے برادران نے اپنے والد بزرگوار جناب مرحوم محمد نور خان (وکیل) کے ایصال ثواب کی خاطر اس کتاب کی طباعت کا خرچ برداشت کیا ـــــــ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر دے اور مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ آمین

نسیم احمد قاسمی

نائب ناظم امارت شرعیہ

رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا،

پھلواری شریف پٹنہ،

۷ رمضان المبارک،

۱۴۱۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طلاق شریعت کی نظر میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ اَجْمَعِیْنَ ٥

اَمَّا بَعْدُ ! شریعت اسلامی میں یہ کام جتنا پسندیدہ اور عنداللہ مستحسن اور بہتر ہے کہ کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ازدواجی تعلق قائم کرکے اس کے ساتھ اپنی پوری زندگی عفت وعصمت اور پاکدامنی کے ساتھ گزار دے ۔ اتنی ہی یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے حد مبغوض اور سخت ناپسندیدہ ہے کہ کوئی مرد اپنی شریک زندگی اور رفیقۂ حیات کو طلاق دیکر اپنی زوجیت سے اسے علیحدہ کر دے اور اس طرح میاں بیوی کا قیمتی رشتہ توڑ دے، حدیث پاک میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ہے[1]۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تَزَوَّجُوْا وَلَا تُطَلِّقُوْا فَاِنَّ الطَّلَاقَ یَھْتَزُّ مِنْہُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ یعنی نکاح کرو اور طلاق نہ دو، کیونکہ طلاق دینے سے رحمٰن کا عرش ہلجاتا ہے[2]۔

ایک حدیث میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم

---

(۱) ابوداؤد، ابن ماجہ ۔ بحوالہ مشکوٰۃ ص۲۸۳ (۲) بحوالہ معارف القرآن ص۲۷۴ ج۸

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ!! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر جتنی (مستحب) چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سے ان کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ چیز غلام و لونڈی آزاد کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر جتنی (حلال) چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سے اس کے نزدیک سب سے زیادہ بُری چیز طلاق دینا ہے[۱]۔ یعنی شریعت میں جو پسندیدہ عمل مشروع کیے گئے ہیں ان میں سے اللہ کو سب سے زیادہ پسندیدہ غلام آزاد کرنا ہے اور جتنے اعمال کو اللہ نے جائز قرار دیا ہے ان میں سب سے ناپسندیدہ عمل طلاق ہے۔ ان احادیث و روایات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو کس قدر ناپسند ہے اور ناپسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ مرد و عورت ایک دوسرے کی زندگی کے شریک و رفیق بنتے ہیں، اور دونوں جائز طریقہ سے نسلِ انسانی کی افزائش کرتے ہیں، زنا و بدکاری اور دل و نگاہ کی آوارگی سے اپنے نفس کو بچاتے ہیں، سماج اور اپنے ماحول و معاشرہ کو صاف ستھرا رکھتے ہیں، اولاد کی تعلیم و تربیت میں دونوں ایک دوسرے کا تعاون و مدد کرتے ہیں۔ بیوی گھر کی زینت اور باعثِ سکون و قرار ہوتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے سکون پاتے ہیں، عورت کی فطری نزاکت اور اس کی صنفی کمزوری کے پیشِ نظر مذہب اسلام نے مرد کو اس کی ضروریات کا ذمہ دار اور کفیل بنایا ہے، اس لیے اسلام کو یہ امر سخت ناپسند ہے کہ کوئی مرد اپنی شریک زندگی کو طلاق دیکر اپنے گھر کی رونق ختم کردے خود بھی مصیبت و پریشانی میں پڑے اور عورت کو بھی مشقت و پریشانی میں ڈالدے اس وجہ سے اسلام نے طلاق دینے کی اجازت اس وقت دی ہے جب میاں بیوی کے مابین ایسا بگاڑ، کشیدگی اور نفرت پیدا ہو جائے جو افہام و تفہیم

---

(۱) دارقطنی۔ مشکوۃ ص۲۸۳۔

کے ذریعہ دور نہ ہو سکے اور دونوں کے تعلقات و معاملات کو سلجھانے کا طلاق کے سوا کوئی دوسرا راستہ باقی نہ رہے ـــــ لیکن ہماری بدنصیبی ہے کہ آج ہمارا مسلم معاشرہ اپنے فرائض کو فراموش کر چکا ہے، جس کی وجہ سے طرح طرح کی لعنتوں اور برائیوں میں مبتلا ہے، ان میں سے ایک طلاق کا غلط استعمال بھی ہے۔

طلاق دینے کو عام لوگ بُرا سمجھتے ہی نہیں، بس ذرا غصہ آیا، کسی بات پر ناراض ہوئے، کبھی بیوی سے، کبھی اس کے والدین سے، اور کبھی اس کے رشتہ دار سے، غصہ کسی سے بھی ہو، اترتا ہے بیوی پر، غصہ میں سب کچھ بھول کر صرف طلاق دینا یاد رہتا ہے، اور جب طلاق دینے پر آئے تو ایک ہی کیوں دیں، تین یا اس سے بھی زائد طلاق دیکر سکون ملتا ہے، اور جب ہوش آیا اور غصہ اترا تو معلوم ہوا کہ جیتی جی بیوی جو زندگی کی ساتھی، رنج و غم کے وقت تسلی اور دلاسا دلانے والی تھی ہاتھ سے نکل چکی ہے تو پھر حیلے بہانے پیدا کر کے بیوی کے جواز کا غلط فتویٰ حاصل کرنے کی مہم شروع کر دی جاتی ہے، اس طرح دنیا بھی بگڑی اور خدا بھی ناراض ہوا۔

طلاق کی لغوی اور شرعی تحقیق

طلاق لغت میں قید و بندش کھول دینے کا نام ہے اور یہ لفظ "اِطلاق" سے ماخوذ ہے، اہل عرب کہتے ہیں: "أَطْلَقْتُ إِبِلِيْ وَأَسِيْرِيْ" میں نے اپنے اونٹ اور قیدی کو چھوڑ دیا، "وَطَلَّقْتُ اِمْرَأَتِيْ" میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، اس طرح اہل عرب کے نزدیک لفظ اطلاق اور طلاق دونوں یکساں ہے، البتہ اہل لغت نے دونوں کے استعمال میں یہ فرق کیا ہے کہ لفظ طَلَاق صرف عورتوں کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اطلاق عورتوں کے علاوہ جانور اور قیدی وغیرہ کو چھوڑنے کے لیے بھی استعمال

کرتے ہیں[1]۔ اصطلاحِ شریعت میں "نکاح سے پیدا ہونے والی حلت اور قید وبندش کو مخصوص الفاظ کے ذریعہ ختم کر دینے" کا نام طلاق ہے، اور مخصوص الفاظ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو "ط، ل، ق" کے مادّہ پر مشتمل ہو، چاہے وہ اپنے مفہوم میں بے غبار یعنی صریح ہو جیسے "أَنْتِ طَالِقٌ" یا طلاق کے ساتھ ساتھ کسی اور معنیٰ کا بھی احتمال رکھتا ہو یعنی کنایہ ہو جیسے "أَنْتِ مُطْلَقَةٌ" لام پر تشدید کے بغیر[2] اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بذریعہ نکاح مرد کو کسی عورت سے جنسی تعلق قائم کرنے کا جو حق حاصل ہوتا ہے اس کے ختم کر دینے کا نام طلاق ہے[3]

طلاق کی مشروعیت کا سبب

طلاق کے اندر چونکہ اصل ممانعت ہے اس لیے شریعت نے شوہر کو طلاق دینے کی اس وقت اجازت دی ہے، جب کہ دونوں کے درمیان ایسا بگاڑ، کشیدگی اور نفرت پیدا ہو جائے کہ اس کو دور کرنے کے لیے سوائے طلاق و تفریق کے کوئی راستہ باقی نہ رہ جائے ایسے ناگزیر حالات میں بھی اگر شریعت طلاق کی اجازت نہ دیتی تو میاں بیوی دونوں کے حق میں ظلم ہوتا، چنانچہ فقہاء طلاق کی مشروعیت اور اس کی حکمت ومصلحت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واما سببه فالحاجة الى الخلاص عند تباين الاخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم اقامة حدود الله تعالىٰ وشرعه رحمة منه	اور طلاق کے مشروع ہونے کا سبب زوجین کے اخلاقی حالات میں غیر معمولی دوری، چھٹکارا حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور ایسا بغض پیدا ہو جانے کی صورت میں جس کی وجہ

(۱) لسان العرب لابن منظور افریقی ج ۱۰، ص ۲۲۶، (۲) فتح القدیر ج ۳، ص ۳۲۵، (۳) الجوہرۃ النیرۃ ج ۲، ص ۳۵۔

سبحانہٗ وتعالیٰ"(۱) | "سے اللہ کی حدود کا قائم کرنا ممکن نہ رہ جائے، بندشِ نکاح سے آزادی کی ناگزیر ضرورت ہے اور طلاق کی شریعت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے"

طلاق کے وقت شوہر میں کن شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے

شریعتِ اسلامی نے ہر شوہر کی طلاق کو معتبر قرار نہیں دیا ہے، کیونکہ بعض دفع ایسے حالات بھی پیش آتے ہیں، جن میں انسان عقل و ہوش کھو بیٹھتا ہے اور بعض حالات میں شریعت کے احکام کے مخاطب ہونے کی صلاحیت اپنے اندر نہیں رکھتا اس لیے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ طلاق دیتے وقت ضروری ہے کہ شوہر عاقل، بالغ اور بیدار ہو، اگر ان میں سے کوئی بھی شرط نہیں پائی گئی تو طلاق عورت پر واقع نہیں ہوگی، اور اسے لغو قرار دیا جائے گا۔(۲)

طلاق اصلاً گناہ ہے

اصل تو یہی ہے کہ طلاق بری چیز ہے اور اس سے پرہیز کرنا چاہیے لیکن بعض خاص حالات میں یعنی جب مرد محسوس کرے کہ وہ عورت کے حقوق ادا نہیں کرسکتا تو محض اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے عورت کو لٹکا کر رکھنا گناہ ہوگا اور اس صورت میں مرد پر واجب ہوگا کہ وہ بیوی کو طلاق دے کر آزاد کرے اس لیے کہ نکاح سے شریعت کی منشاء اور مقصود یہ ہے کہ میاں بیوی جائز اور حلال طریقہ سے اپنی خواہشات کی تکمیل کریں، اور عفت و عصمت کی زندگی گذاریں۔ دونوں ایک دوسرے کے رنج و

---

(۱) فتح القدیر ص۳۲٦، البحر الرائق ج ۳، ص۲۳۳ سعید کمپنی (۲) فتح القدیر ۳، ص۳۷٦۔

غم میں برابر کے شریک و سہیم بنیں، ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں نیز اللہ تعالیٰ کے بھی حقوق پامال نہ کریں۔ لہذا اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ شوہر اپنی بیوی کا حق ادا نہ کر پائے اور اس طرح شریعت کا حکم ٹوٹنے لگے تو پھر شوہر پر واجب اور ضروری ہے کہ عورت کو طلاق دیکر آزاد کر دے تاکہ وہ اپنی خواہش اور مرضی سے دوسرا نکاح کر کے پاکیزہ زندگی گزارے صاحب درمختار نے اس پہلو پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ویجب لو فات الامساك بالمعروف	کہ اگر عورت کو معروف طریقہ سے اپنے نکاح میں رکھنا ممکن نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں شوہر پر طلاق دینا واجب ہو جاتا ہے۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

کما لو کان خصیا او مجبوبا او عنینا او شکازا او مسحرا۔ (۱)	جیساکہ اگر شوہر خصی یا مجبوب یا عنین یا شکاز یا سحر زدہ ہو۔

خصی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے دونوں فوطے نکلے ہوئے ہوں، مجبوب وہ شخص ہے جسکو خصیہ اور ذکر (پیشاب کا راستہ) نہ ہو، عنین وہ شخص ہے جو دونوں کے رہتے ہوئے بھی عورت سے صحبت کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو، شکاز وہ شخص ہے جس کو صحبت کرنے سے پہلے ہی انزال ہو جاتا ہو۔ اور مسحر سے وہ شخص مراد ہے جس پر جادو کر دیا گیا ہو تاکہ اسے صحبت وغیرہ کا خیال باقی نہ رہے۔

زبردستی کی طلاق

فقہاء کی اصطلاح میں "مکرہ" وہ شخص ہے جسے جان سے مار ڈالنے یا

---

(۱) رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۹۔

سخت تکلیف پہونچانے کی دھمکی دیکر طلاق دینے پر مجبور کیا جائے، مثلاً یہ کہ اگر تم اپنی بیوی کو طلاق نہ دوگے تو میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا یا تیرا کوئی عضو کاٹ لوں گا یا قید خانہ میں ڈال دوں گا، ایسی حالت میں جس شخص پر جبر اور اکراہ کیا جاتا ہے اس کے سامنے دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک بیوی دوسرے اپنی جان، اب وہ چاہے تو طلاق دیکر اپنی جان بچا سکتا ہے اور چونکہ ایسی حالت میں اس شخص کا ارادہ و اختیار اپنی جگہ پر باقی رہتا ہے، اس لئے شریعت نے اس کی طلاق کو معتبر اور صحیح مانا ہے، حضرت امام ابو حنیفہ، امام شعبی، امام نخعی اور سفیان ثوری وغیرہم کا یہی مذہب ہے کہ مکرہ شخص کی طلاق واقع ہو جاتی ہے لیکن امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر اکراہ ناواجبی ہو تو پھر ایسے مکرہ شخص کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ، قاضی شریح اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے۔ ان حضرات کا استدلال اس حدیث پاک سے ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ میری اُمت سے غلطی بھول چوک اور وہ افعال معاف کر دیئے گئے ہیں، جن پر وہ مجبور کر دیئے جائیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے پیش نظر وہ حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ "لَا طَلَاقَ فِی إِغْلَاقٍ" اغلاق کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، یہاں اغلاق سے حنیفہ اکراہ یعنی جسمانی جبر مراد لیتے ہیں، اور حدیث بالا کو آخرت سے متعلق سمجھتے ہیں[1]

حالت نشہ کی طلاق

فقہاء کی اصطلاح میں شراب یا کوئی بھی نشہ آور چیز پی کر اس طرح بدمست

---

(۱) فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۴، البحرالرائق ج ۳، ص ۲۴۵، ردالمحتار ج ۳، ص ۲۲۵

ہو جانے کو نشہ (سکر) کہتے ہیں کہ اسے مرد و عورت کا امتیاز بھی باقی نہ رہے اور زمین و آسمان کا فرق بھی نہ کر سکے، کبھی تو یہ کیفیت شراب جیسی حرام چیزوں کے استعمال کرنے سے پیدا ہوتی ہے، جیسے بھنگ، افیون وغیرہ کے استعمال سے اور کبھی کسی مباح و حلال چیز کے استعمال کرنے سے بھی یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے شامی نے لکھا ہے کہ انار کے پتے استعمال کرنے سے بھی کبھی کبھی نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔

اگر شراب یا دوسری حرام چیزیں مثلاً افیون، بھنگ وغیرہ کے پینے کی وجہ سے عقل زائل ہو جائے اور وہ شخص نشہ میں بدمست اور مدہوش ہو کر اپنی عورت کو طلاق دیدے تو ایسے شخص کی طلاق حنفیہ کے نزدیک واقع ہو جاتی ہے، تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیب، حضرت عطاء، حسن بصری، ابراہیم نخعی، ابن سیرین، مجاہد وغیرہم کا بھی یہی مسلک ہے، حضرت امام مالک، اوزاعی اور صحیح روایت کے مطابق حضرت امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل بھی اسی کے قائل ہیں، البتہ قاسم بن محمد، طاؤس، ربیعہ بن عبدالرحمٰن، لیث، ابو ثور، زفر وغیرہم کہتے ہیں، کہ ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، صحابۂ کرام میں سے خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے، حنفیہ میں سے امام طحاوی اور امام کرخی کے نزدیک بھی ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے[1]

علامہ شامی کا خیال ہے کہ اس میں یہ تفصیل ہونی چاہیے کہ اگر شراب یا دوسری حرام چیزیں لہو و لعب کے لیے استعمال کی ہوں تو طلاق واقع ہونی چاہئے اور اگر

---

(۱) فتح القدیر ج ۳، ص ۳۴۵، البحر الرائق، ص ۲۴۲ / ۳،۵

یہی چیزیں دوا کے طور پر استعمال کی گئی ہوں تو پھر اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ اس صورت میں اس نے مذکورہ چیزیں معصیت کے طور پر استعمال نہیں کی ہے، اور چونکہ طلاق واقع ہونے کا سبب معصیت کا ارتکاب ہے اور اس صورت میں معصیت کا ارتکاب نہیں پایا گیا اس لیے اس کی طلاق واقع نہیں ہونی چاہیے[۱]

اگر درد سر کی شدت کی وجہ سے عقل زائل ہو جائے یا کسی مباح چیز کے پینے سے نشہ پیدا ہو جائے اور اس کی عقل زائل ہو جائے تو ان دونوں صورتوں میں ایسے شخص کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہو گی، کیونکہ اس صورت میں جو نشہ پیدا ہوا ہے وہ حرام و معصیت کی راہ سے پیدا نہیں ہوا ہے اور طلاق واقع ہونے کی اصل علت یہی ارتکاب معصیت ہے[۲]

ہنسی مذاق کی طلاق

ھازل وہ شخص ہے جو اپنی بات سے حقیقی معنیٰ اور مفہوم مراد نہ لے، تو اگر کسی شخص نے محض کھیل کود اور ہنسی مذاق کے طور پر اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور طلاق دینے کا معنیٰ مراد نہ لیا، تو بھی اس شخص کی طلاق واقع ہو جائے گی، کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہنسی مذاق کے طور پر اپنی بیوی کو طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے مگر یہ بالکل غلط ہے حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے

"ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ، اَلنِّکَاحُ وَالْعِتَاقُ وَالطَّلَاقُ"[۳] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کو ہنسی کے طور پر کرنا، اور واقعی طور پر کرنا دونوں برابر ہیں، ایک نکاح، دوسرا عتاق (غلام آزاد کرنا) اور تیسرا طلاق۔

---

[۱] رد المحتار ج ۳ ص ۲۴۰۔ [۲] رد المحتار ج ۳ ص ۲۴۰ [۳] بحوالہ الجوہرۃ النیرۃ، ج ۲ ص ۴۹۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے اس حدیث میں یہ الفاظ منقول ہیں :

ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ.(۱)	یعنی تین چیزیں ایسی ہیں جن کو قصد وارادہ سے کہنا اور ہنسی مذاق کے طور پر کہنا برابر ہے، نکاح، طلاق، رجعت

ان تینوں چیزوں میں حکم شرعی یہ ہے کہ اس لفظ کے اصل معنیٰ کے مطابق اثر مرتب ہوگا، دو مرد وعورت اگر بلا قصد ہنسی ہنسی میں گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کریں تو بھی نکاح منعقد ہوجائے گا، اسی طرح اگر بلا قصد ونیت ہنسی ہنسی میں صریح طور پر طلاق دیدے تو طلاق عورت پر پڑجاتی ہے یا رجعت کرلے تو رجعت درست ہوجاتی ہے، ایسی ہی اپنے کسی غلام کو ہنسی مذاق میں آزاد کردے تو غلام اور باندی آزاد ہوجاتے ہیں، ہنسی مذاق کوئی عذر نہیں مانا جاتا۔

اور درمختار میں ہے :

أَوْ هَازِلًا لَا يَقْصِدُ حَقِيْقَةَ كَلَامِهِ.(۲)	یا ہنسی مذاق کرنے والا ہو جو اپنے کلام کا حقیقی معنیٰ مراد نہ لیا ہو (تو اس کی بھی طلاق واقع ہوجائے گی)۔

علامہ شامی نے ہزل کے متعلق لکھا ہے کہ لغت میں ہزل کھیل کے معنیٰ میں آتا ہے، اور اصطلاح شریعت میں ہزل یہ ہے کہ کوئی شخص لفظ سے نہ تو اس کا حقیقی معنیٰ مراد لے اور نہ مجازی، بلکہ ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا معنیٰ مراد لے۔ اور یہ لفظ ہزل جدّ کی ضد ہے جس کا معنیٰ ہے لفظ بول کر اس کا حقیقی یا مجازی معنیٰ مراد لیا جائے(۳)

---

(۱) سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۲۹۸۔ (۲) درمختار

(۳) شامی، در المختار، ج ۲، ص ۲۳۸، (۳) رد المحتار، ج ۲، ص ۲۲۹

سفیہ (کم عقل) کی طلاق کا حکم

سفیہ لغت میں خفت اور ہلکاپن کے معنیٰ میں آتا ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں سفاہت سے مراد کم عقلی ہے جسکی وجہ سے آدمی اپنے مال پر اس طرح تصرف کرتا ہے جو عقل کے تقاضہ کے خلاف ہے، پس سفیہ وہ شخص ہے جو اپنا مال تقاضائے عقل کے خلاف جہاں چاہے صرف کرے، ایسے شخص کو عرف عام میں خفیف العقل کہا جاتا ہے۔ ایسے شخص کی طلاق کو بھی شریعت نے صحیح قرار دیا ہے، اگر کسی شخص کا خفیف العقل ہونا لوگوں کے درمیان معروف و مشہور ہو اور پھر وہ شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو اس کی طلاق واقع ہوگی، درمختار میں ہے:

او سفیھا خفیف العقل (۱)۔ | * یا طلاق دینے والا خفیف العقل ہو (تو اس کی بھی طلاق واقع ہو جائے گی)۔

گونگے کی طلاق کا حکم

گونگا جسے عربی زبان میں اخرس کہتے ہیں یعنی وہ شخص بول نہیں پاتا، کبھی تو یہ گونگاپن پیدائشی ہوتا ہے اور کبھی بعد میں انسان گونگا ہو جاتا ہے، پھر یہ کبھی پیدا ہونے کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور کبھی باقی رہ جاتا ہے، عام طور پر گونگے اشاروں کے ذریعہ اپنے دل کی بات سمجھاتے ہیں، اور اس کے ماحول کے لوگ اس کے اشاروں کو سمجھتے ہیں، پس ایسا گونگا جس کا اشارہ جانا بوجھا ہو اور وہ اشارہ کے ذریعہ اپنی بیوی کو

---

(۱) درمختار علی ھامش ردالمحتار، ج ۲، ص ۲۳۸-۲۳۹۔

طلاق دیدے تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی اور جتنی طلاق کا اشارہ کرے گا اتنی ہی طلاق واقع ہوگی۔ اور اگر اشارہ کے ذریعہ اس کے کلام کو لوگ نہ سمجھ پاتے ہوں تو پھر اشارہ سے بھی اس کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح پہلی صورت میں اشارہ کے ذریعہ اس کا نکاح اور دیگر مالی معاملات معتبر ہوں گے، چاہے وہ گونگا لکھنے پر قادر ہو یا نہ ہو ہر دو صورت میں اس کی طلاق اور نکاح وغیرہ صحیح رہے گا، گونگے کے اشارہ کو ضرورۃً معتبر قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر اسے معتبر سمجھا نہ جائے تو غریب بھوکا پیاسا مر جائے گا۔ اسی طرح شریعت نے عبادات میں اس کے اشاروں کو معتبر مانا ہے۔ مثلاً ایسا شخص اگر نماز میں قرأت اور تکبیر کے لیے اپنی زبان کو حرکت دے گا، تو صحیح و معتبر ہوگا۔ لہٰذا معاملات میں بھی اس کے اشارے معتبر ہوں گے۔ بعض شوافع کا خیال یہ ہے کہ اگر گونگا شخص اچھی طرح لکھنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کے اشارہ کے ذریعہ طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ اس جگہ کوئی حاجت ضرورت نہیں ہے[1]

غلطی سے طلاق دینے کا حکم

غلطی سے مراد "خطا" ہے: خطا یہ ہے کہ انسان کہنا کچھ چاہتا تھا اور اس کی زبان سے کوئی اور بات نکل گئی، مثلاً کوئی شخص اپنی زبان سے طلاق کی بجائے کوئی دوسرا لفظ ادا کرنا چاہتا تھا مگر اس کی زبان سے طلاق نکل گیا۔ جیسے وہ "سبحان اللہ" کہنا چاہتا تھا مگر اس کی زبان سے "أَنْتِ طَالِقٌ" (تجھ پر طلاق ہے) نکل گیا، تو اس طرح بھی طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ أنتِ طالقٌ صریح ہے۔ اور لفظ صریح کے ذریعہ بغیر نیت ہی کے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے لفظ طلاق کا معنیٰ سمجھے بغیر اس کا تلفظ کر لیا تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی، مثلاً عورت نے اپنے شوہر سے کہا، حالانکہ وہ عربی سے ناواقف تھا، پڑھو "أنتِ طالقٌ ثلاثاً" اس نے کہدیا تو اس سے بھی قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی[2]

[1] فتح القدیر ج ۳ [illegible] رد المحتار ج ۳ [illegible] [2] رد المحتار ج ۳ [illegible]

پاگل کی طلاق

علامہ ابنِ عابدین شامی تلویح سے نقل کرتے ہوئے "جنون" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جنون اس قوت کے مختل ہو جانے کا نام ہے، جس کے ذریعہ انسان اچھے اور بُرے افعال کے درمیان فرق و امتیاز کرتا ہے، اور جس کے ذریعہ عمل کے نتائج اور انجامِ کار کے متعلق سوچتا ہے، کبھی تو یہ جنونی کیفیت پیدائش ہی کے وقت سے رہتی ہے، اور کبھی کسی مرض کی وجہ سے انسان کا دماغ اچھے بُرے کے امتیاز کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے اور کبھی شیطان وغیرہ کے تسلط اور اس کے فاسد خیالات ڈالتے رہنے کی وجہ سے بھی مذکورہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، تینوں صورتوں میں ایسے شخص کو "مجنون" کہا جائے گا، اس کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ حالتِ جنون میں اس کا کوئی تصرف صحیح نہیں ہوگا، اگر اس نے اپنی عورت کو ایسی حالت میں طلاق دیدی، تو یہ طلاق اس کی عورت پر نہیں پڑے گی، البتہ اگر جنون پیدا ہونے سے پہلے کسی نے اپنی عورت کی طلاق کو کسی شرط پر معلق کیا تھا، مثلاً یہ کہا تھا کہ "اگر تو میکہ گئی تو تجھ پر طلاق" یہ کہنے کے بعد وہ پاگل ہوگیا اور عورت اس کے جنون کی حالت میں اپنے میکہ چلی گئی، تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی،

چنانچہ درمختار میں ہے:

وَالْمَجْنُوْنُ اِلَّا اِذَا عَلَّقَ عَاقِلاً ثُمَّ جُنَّ فَوُجِدَ الشَّرْطُ۔(۱)

اور نہ مجنون شخص کی طلاق واقع ہوگی، سوائے اس کے کہ عقل و ہوش کی حالت میں مشروط طلاق دی ہو پھر مجنون ہوگیا اور اسی حالت میں شرط پائی گئی، تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

---

(۱) درمختار علیٰ ھامش رد المحتار، ج ۲، ص ۲۴۳۔

نابالغ کی طلاق

بالغ ہونے سے پہلے انسان پر خداوندِ قدوس کی طرف سے کوئی حکم واجب نہیں ہوتا ہے اور بالغ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ بلوغ کے آثار ظاہر ہو جائیں یا پندرہ سال کی عمر کو پہونچ جائے۔ بلوغ سے پہلے چونکہ انسان کی رائے اور فکر و نظر میں پختگی نہیں پیدا ہو پاتی اس لیے شریعت نے اسے اپنے احکام کا مکلف و مخاطب نہیں بنایا ہے اسی طرح بلوغ سے پہلے دی جانے والی طلاق کو بھی شریعت نے جائز اور نافذ قرار نہیں دیا ہے۔ حدیث پاک میں تین شخصوں کو حکمِ شرعی کی تعمیل اور بجا آوری سے معاف رکھا گیا ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلٰثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَبْلُغَ وَعَنِ الْمَعْتُوهِ حَتّٰى يَعْقِلَ (۱)	تین شخصوں سے تکلیف اٹھالی گئی ہے، سوئے ہوئے شخص سے یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے اور پاگل سے یہاں تک کہ وہ عقل والا ہو جائے۔

اور بچے کی طلاق کا حکم ذکر کرتے ہوئے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ (۲)	یعنی سوائے بچے اور دیوانے کی طلاق کے ہر طرح کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے یہی روایت حضرت ابن عباسؓ سے نقل

(۱) [illegible] داؤد، مشکوٰۃ ص ۲۸۴ (۲) بحوالہ ہدایۃ مع فتح القدیر ج ۳ ص [illegible]

کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :

لَا یَجُوْزُ طَلَاقُ الصَّبِیِّ وَالْمَجْنُوْنِ[۱] | بچے اور پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔

دونوں حدیثوں کا مفہوم و مطلب ایک ہی ہے صرف الفاظ بدلے ہوئے ہیں، اگر بچہ قریب البلوغ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی، حضرت امام احمد بن حنبل سے نابالغ کی طلاق کے متعلق یہ منقول ہے کہ اگر وہ نابالغ عقل و آگہی رکھتا ہو اور اسے یہ علم ہو کہ طلاق کے ذریعہ میری بیوی مجھ سے علیحدہ ہو جائے گی، تو ایسے نابالغ کی طلاق واقع ہو جائے گی، حضرت ابن عمرؓ اور سعید بن مسیب کا بھی یہی مسلک ہے[۲]

معتوہ کی طلاق کا حکم

جن افراد کی طلاق شرعاً واقع اور نافذ نہیں ہوتی ہے ان میں سے ایک معتوہ شخص بھی ہے، لفظ معتوہ "عتہ" سے ماخوذ ہے، معتوہ وہ شخص ہے جس کی عقل خراب ہو جائے اور اس کا دماغ صحیح طور پر کام نہ کرے، صاحب البحر الرائق نے مجنون اور معتوہ دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے، لیکن علامہ ابن عابدین شامی نے دونوں کے مابین فرق اس طرح کیا ہے کہ معتوہ وہ ہے جو کم سمجھ رکھتا ہو، لیکن لوگوں کو مارتا پیٹتا نہ ہو، اور نہ گالی گلوچ کرتا ہو، اس کے برخلاف مجنون لوگوں کو مارتا بھی ہے، اور گندی گندی گالیاں بھی دیتا ہے ایسا شخص بھی بچے کے حکم میں ہے، اس پر بھی احکام شریعت واجب نہیں ہوتے ہیں۔ البتہ علامہ دبوسی کہتے ہیں کہ از روئے احتیاط اس کے اوپر عبادات واجب ہوں گی۔ ایسا

---

(۱) بحوالہ فتح القدیر، ج ۳، ص ۳۴۳ (۲) درمختار علی ھامش رد المحتار، ج ۲، ص ۴۲۳۔

شخص اگر اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی. حضرت ابو ہریرہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں :

كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ وَالْمَغْلُوبِ عَلَىٰ عَقْلِهِ ۔ (۱)	ہر طلاق نافذ ہوتی ہے سوائے اس شخص کی طلاق کے جس کا دماغ خراب ہوجائے یا جس کی عقل مغلوب ہوجائے۔

اور صاحب درمختار معتوہ کی طلاق کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

الْمَعْتُوهُ مِنَ الْعَتَهِ وَهُوَ اخْتِلَاجٌ فِي الْعَقْلِ (۲)	اور معتوہ شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی، اور معتوہ عتہ سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ عقل کا مختل اور خراب ہوجانا ہے۔

برسام کے مریض کی طلاق کا حکم

صاحب درمختار کی تحقیق کے مطابق برسام (با کے زیر کے ساتھ) جنون ہی کی طرح ایک مرض ہے جس کے پیدا ہونے کے بعد انسان کا دماغی توازن برقرار نہیں رہتا اور وہ اپنے حق میں اچھے برُے کا امتیاز نہیں کرپاتا ہے گویا کہ جنون ہی کی طرح عقل کے ذریعہ کام کرنے کی صلاحیت برسام کی وجہ سے بھی ختم ہوجاتی ہے اسی بناء پر فقہاء نے ایسے شخص کو مجنون کے حکم میں شامل کرکے اس کی طلاق کو بھی معتبر اور صحیح قرار نہیں دیا ہے صاحب بحر مجنون کی طلاق پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

وَيَدْخُلُ الْمُبَرْسَمُ وَالْمُغْمَىٰ عَلَيْهِ وَالْمَدْهُوشُ ۔ (۳)	اور مجنون ہی کے حکم میں برسام کا مریض بیہوش اور دہشت زدہ افراد بھی ہیں۔

صاحب درمختار نے مجنون مبرسم اور بے ہوش کو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا

---

(۱) مشکوٰۃ ص ۲۸۴ (۲) درمختار علی ھامش رد المحتار ص ۲۴۳ ج ۲ (۳) البحر الرائق ص ۲۴۹ ج ۳

ہے، اور ان سب کے مابین فرق بھی واضح کر دیا ہے۔ برسام کے مریض کی طلاق کے متعلق لکھتے ہیں:

وَالْمُبَرْسَمُ مِنَ الْبِرْسَامِ بِالْكَسْرِ عِلَّةٌ كَالْجُنُوْنِ (۱)	اور صاحب برسام کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے اور لفظ مبرسم برسام بالکسر سے ماخوذ ہے جو جنون ہی کے قبیل کا ایک مرض ہے۔

مبہوش کی طلاق کا حکم

علامہ شامی نے "اغماء" کے متعلق "تحریر" سے نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ قلب یا دماغ کا مرض ہے جس کے پیدا ہونے سے عقل کے باقی رہتے ہوئے اچھے برے کے ادراک کرنے کی قوت و صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اور یہ مرض عقل کے اوپر غالب آجاتا ہے جس کی بناء پر عقل اپنا کام نہیں کر پاتی ہے، ایسے شخص کو عربی میں "مغمیٰ علیہ" کہا جاتا ہے، اگر کسی شخص کے اندر یہ کیفیت و حالت پیدا ہو جائے تو اس کی بھی طلاق شرعاً معتبر نہ ہوگی، چنانچہ صاحب درمختار لکھتے ہیں:

وَالْمُغْمٰى عَلَيْهِ هُوَ لُغَةً الْمَغْشِيْ (۲)	اور بیہوش شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے اور یہ لغت کے اعتبار سے "غش خوردہ" کے معنیٰ میں ہے۔

مدہوش کی طلاق کا حکم

علامہ ابن نجیم مصری نے مدہوش کو بھی مجنون کے حکم میں داخل کیا ہے (۳) مدہوش "دہش" سے مشتق ہے، جس کا معنیٰ اس قدر حیران و پریشان ہو جانا ہے جس

---

(۱) درمختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۲۴۳۔ (۲) ایضاً ص۲۴۳ ج۲۔ (۳) البحر الرائق ص۲۴۹ ج۳۔

کی وجہ سے عقل کام نہ کرے، علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق صرف حیرت زدہ انسان پر "مدہوش" کا اطلاق درست نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی عقل مارے شرم یا خوف کے ختم ہو جائے، اگر ایسا خوف زدہ انسان اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی، صاحب درمختار ایسے شخص کی طلاق کا حکم ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

والمدهوش فتح: وفی القاموس: دهش الرجل تحیر ودُهش بالبناء للمفعول فهو مدهوش وادهشه الله۔ (۱)

اور مدہوش فتح کے باب سے آتا ہے اور قاموس میں ہے کہ دَہِشَ الرَّجُلُ اس وقت کہا جاتا ہے جب آدمی حیران ہو جائے اور دُہِشَ مجہول بھی مستعمل ہے اور اَدْہَشَہُ اللہُ یعنی اللہ کی طرف سے وہ دہشت میں ڈال دیا گیا۔

سوئے ہوئے شخص کی طلاق

اس سے قبل بچوں کی طلاق کے ذیل میں ایک روایت گزر چکی ہے جس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے تین افراد کو شریعت کے احکام کی بجاآوری سے معاف قرار دیئے جانے کا حکم بیان فرمایا ہے ان تینوں پر اللہ کی طرف سے خطاب متوجہ نہیں ہوتا ہے، ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جو سویا ہوا ہو، سونے کی حالت میں نہ تو اس پر کسی عبادت کی ادائے گی واجب ہوتی ہے، اور نہ اس حالت میں اس کا کوئی تصرف معتبر ہوتا ہے کیوں کہ حالتِ نیند میں انسان اپنے ارادہ و اختیار کا مالک نہیں رہتا ہے اس لیے اگر کسی شخص نے اسی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو اس کی طلاق واقع

---

(۱) درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۳، ص ۲۴۳۔

نہیں ہوگی، اگر بیدار ہونے کے بعد اس نے کہا، اجزتہ، کہ میں نے اس طلاق کو نافذ کردیا
یا اس کو واقع کردیا تو اس صورت میں بھی وہ طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ جب سوئے ہوئے
کی حالت میں اس کا کوئی قول وتصرف معتبر نہیں ہے، اور نہ اس پر کوئی حکم شرعی لگتا ہے
تو چونکہ طلاق دینا بھی قول ہی کے قبیل سے ہے اس لیے اس کا بھی اعتبار نہیں ہوگا۔
صاحب درمختار لکھتے ہیں : ۱۔

والنائم لانتفاء الإرادة. ولذا لايتصف بصدق ولاكذب ولاخبر ولا إنشاء، ولو قال أجزته أو أوقعته لايقع لأنه أعاد الضمير إلى غير معتبر (جوهره) (۱)	اور نہ سوئے ہوئے کی طلاق واقع ہوتی ہے اس حالت میں ارادہ واختیار کے ختم ہونے کی وجہ سے اور اسی وجہ سے اس شخص کا کلام صدق، کذب، خبر، انشاء وغیرہ کے ساتھ متصف نہیں ہوتا ہے اور اگر اس نے کہا کہ

میں نے اس طلاق کو نافذ کردیا یا اس کو واقع کردیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس نے ضمیر کو ایسی
چیز کی طرف لوٹایا ہے جس کا اعتبار ہی نہیں۔

طلاق دینے کا صحیح طریقہ

آج کل ہمارے عرف میں جب کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دیتا ہے، تو
ایک ہی سانس میں تین بار یا اس سے بھی زائد دفعہ طلاق دے کر سانس روکتا ہے، اس
بے احتیاطی کی وجہ سے ہمارے ملک میں ہزاروں افراد پریشان ہیں، اور ان کی مطلقہ
عورتیں اور بچے گھر سے بے گھر ہوکر در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں،
قرآن وسنت کے احکام وارشادات اور صحابہ وتابعین کے تعامل سے طلاق

---

(۱) درمختار علی ہامش ردالمحتار، ج ۳/، ص ۲۲۳-۲۲۴

دینے کا جو طریقہ منقول ہوتا ہے اس کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ جب طلاق دینے
کے سوا کوئی چارہ ہی نہ رہے اور بغیر طلاق دیئے ہوئے دونوں میاں بیوی کا بگاڑ دور
نہ ہوسکے تو طلاق کا احسن طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک طلاق عورت کو ایسی پاکی کی حالت میں دیدے
جس میں اس سے ہمبستری اور صحبت نہ کی ہو اور یہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، عدت
ختم ہونے کے بعد رشتۂ نکاح خود ٹوٹ جائے گا، اس طرح طلاق دینے کو فقہائے کرام
نے "طلاق احسن" کہا ہے اور حضرات صحابۂ کرام نے اسی کو طلاق کا بہتر طریقہ قرار دیا ہے
ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت ابراہیم نخعیؒ سے نقل کیا ہے، کہ
صحابۂ کرام طلاق دینے میں اس کو پسند کرتے تھے کہ صرف ایک طلاق دیکر چھوڑ دی
جائے، اور طلاق کی عدت یعنی تین حیض پورے ہونے دیئے جائیں تاکہ عورت آزاد ہو
جائے، قرآن کریم کی آیت "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" یعنی طلاق دو ہی مرتبہ ہے، سے اس کی بھی
اجازت نکلتی ہے کہ دو طلاق تک دیدی جائیں، اور مرتان کے لفظ میں اس طرف اشارہ
فرمادیا گیا ہے کہ دو طلاق بیک لفظ بیک وقت نہ ہوں بلکہ دو طہر یعنی پاکی کے زمانہ میں الگ
الگ دی جائیں۔

طلاق کی قسمیں ۔ وقت اور محل کے اعتبار سے نفس طلاق کی تین قسمیں ہیں
(۱) احسن (۲) حسن، حسن کو فقہا سنی سے بھی تعبیر کرتے ہیں، (۳) بدعی۔
طلاق احسن کی صورت یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی ایسی پاکی کی حالت میں دی جائے جس میں عورت
سے صحبت نہ کی ہو اور پھر اس کو اسی حالت میں چھوڑ دے یعنی پھر نہ تو اس کو اور طلاق
دے اور نہ اس سے ہمبستری کرے، یہاں تک کہ اس کی عدت پوری ہو جائے طلاق
کی یہ پہلی قسم سب سے بہتر ہے۔

طلاق حسن ـــــــ کی صورت یہ ہے کہ جس بیوی سے یکجائی ہو چکی ہو اسکو تین طلاقیں تین طہروں میں دی جائیں اور ان تینوں طہروں میں صحبت نہ کی ہو اور اگر ابھی بیوی سے یک جائی ہی نہ ہوئی ہو تو اس کے لیے ایک طلاق حسن ہے، ایسی عورت کو حیض کی حالت میں بھی طلاق دی جا سکتی ہے، نابالغہ لڑکیوں اور ان عورتوں کے لیے جن کی ماہواری بند ہو چکی ہو، طلاق حسن یہ ہے کہ ان کو (تین مہینہ تک) ہر مہینہ میں ایک طلاق دی جائے۔ ان عورتوں کو ہمبستری کے بعد بھی طلاق دینی جائز ہے۔(۱)

طلاق بدعی ـــــــ کی صورت یہ ہے کہ جس عورت کے ساتھ صحبت کر چکا ہے اس کو ایک طہر یعنی پاکی کی حالت میں ایک ہی دفعہ میں تین طلاقیں دیدے یا اس کو اس طہر میں طلاق دے جس میں ہمبستری کر چکا ہو، اس طرح حیض کی حالت میں طلاق بھی طلاق بدعی ہی ہے، وہ عورت جس کو حیض کی حالت میں طلاق دی ہے اگر اس کو لوٹانے کی گنجائش باقی ہو تو صحیح تر روایت کے مطابق اس سے رجوع کرنا واجب ہے، جب کہ بعض علماء نے رجوع کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، پھر جب وہ پاک ہو جائے اور اس کے بعد دوسرا حیض آئے، اور پھر اس سے بھی پاک ہو جائے تب اگر طلاق دینا ہی ضروری ہو تو اس دوسرے طہر میں طلاق دی جائے، طلاق کی یہ تیسری قسم شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ ہے، گو یہ طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، مگر طلاق دینے والا گنہ گار ہوتا ہے(۲) یہ تو وقت اور محل کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں تھیں، واقع ہونے کے اعتبار سے طلاق کی دو قسمیں ہیں، ۱: رجعی ۲: بائن

طلاق رجعی ـــــــ کی صورت یہ ہے کہ طلاق دینے والا ایک بار یا دو بار صریح الفاظ میں یوں کہے کہ: أَنْتِ طَالِقٌ، یا طَلَّقْتُكِ، یا اردو میں یوں کہے کہ "تجھ پر طلاق ہے"

---

(۱) البحر الرائق، ج۳، ص۲۳۸، رد المحتار ج۲ ص۲۳۱۔ (۲) البحر الرائق ص۲۳۹ ج۳، رد المحتار ۲۳۲-۲۳۳ ج۳۔

یا میں نے تجھے طلاق دی۔ اس طرح طلاق دینے سے طلاق دینے والا ایامِ عدت میں بغیر نکاح کے رجوع کر سکتا ہے یعنی اگر وہ یوں کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا یا اس کو ہاتھ لگائے یا مساس کرے، یا اس سے صحبت کرے تو اس سے رجوع ہو جاتا ہے۔ دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت و حاجت نہیں۔

طلاقِ بائن کی صورت یہ ہے کہ طلاق کے صریح الفاظ کے بجائے ایسے الفاظ کے ذریعہ طلاق دی جائے، جن کا استعمال اگرچہ صراحۃً طلاق کے لیے نہ ہوتا ہو مگر کنایۃً اس سے طلاق کا مفہوم بھی ادا کیا جاتا ہو۔

طلاقِ بائن کا حکم یہ ہے کہ اس طرح طلاق دینے سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے، اگر شوہر دوبارہ اس عورت کو اپنے پاس رکھنا چاہے تو اس کے لیے نکاح کی تجدید عورت کی رضامندی سے ضروری ہوگی، بغیر اس کے اس عورت کو اپنی بیوی بنا کر رکھنا حرام ہے ــــــــــ حکم اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی طلاق کی دو قسمیں ہیں، مغلظہ اور مخففہ

طلاق مغلظہ کی صورت یہ ہے کہ عورت کو یکبارگی تین طلاقیں دی جائیں، مثلاً یوں کہے کہ میں نے تین طلاق دی یا الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں، مثلاً یوں کہے کہ میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، اس طرح طلاق دینے سے طلاق دینے والا اس عورت کو دوبارہ اپنے نکاح میں بغیر حلالۂ شرعی نہیں لا سکتا۔

حلالہ کی صورت حلالہ یہ ہے کہ تین طلاق دی ہوئی عورت عدت گزارنے کے بعد کسی دوسرے سے نکاح کرلے اور دوسرا مرد اس سے ہمبستر ہو کر اس کو طلاق دیدے یا اس کی وفات ہو جائے، اور پھر جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو پہلا شوہر عورت کی رضامندی سے نکاح کرلے۔ "وان کان الطلاق ثلثا فی الحرۃ وثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا ویدخل بہا ثم یطلقہا او یموت عنہا (عالمگیری) ۱/۴۷۲-۴۷۳

طلاق مُ نہ ـــــــــ کی صورت یہ ہے کہ یکبارگی یا الگ الگ دو طلاقیں دے یا ایک طلاق دے، پھر اگر یہ دو طلاقیں یا ایک طلاق صریح الفاظ کے ساتھ ہو تو عدت کے اندر اس عورت سے رجوع کرسکتا ہے، تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر الفاظِ کنایہ کے ذریعہ ہو تو تجدید نکاح کے بعد اس کو اپنی بیوی بنا سکتا ہے اس صورت میں حلالہ کی ضرورت نہیں۔

حالتِ حیض میں طلاق

اسلام نے اگرچہ طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے بلکہ حتی القدور اپنے حلقہ بگوشوں کو اس سے روکا ہے لیکن بعض ضرورت کے مواقع پر اجازت دی، تو اس کے لیے کچھ اصول و قواعد بھی مقرر کر دیئے جن کا حاصل یہ ہے کہ اس رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا ہی ضروری ہو جائے تو وہ بھی خوبصورتی اور شائستگی کے ساتھ انجام پائے، محض غصہ نکالنا اور انتقام کا جذبہ کارفرما نہ ہو۔

اس سلسلہ میں ایک ہدایت قرآن و حدیث میں یہ دی گئی ہے کہ عورت کو اگر طلاق دی جائے تو طہر اور پاکی کی حالت میں دی جائے، حیض کی حالت میں طلاق دینے سے گریز کیا جائے، کیونکہ اگر حیض کی حالت میں عورت کو طلاق دی جائے گی تو اس کی عدت طویل ہو جائے گی، جس کی وجہ سے اسے تکلیف و زحمت ہوگی. قرآن کریم کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ (الطلاق(۱))	اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو تو ان کو طلاق دو ان کی عدت پر اور گنتے رہو عدت کو اور ڈرو اللہ سے جو رب ہے تمہارا

---

(۱) الطلاق، پ ۲۸، ع ۱۷۔

عدت کے لفظی اور لغوی معنیٰ شمار کرنے کے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح میں اس مدت کو کہا جاتا ہے جس میں عورت ایک شوہر کے نکاح سے نکلنے کے بعد دوسرے نکاح سے ممنوع ہوتی ہے۔ اس مدت انتظار کو عدت کہا جاتا ہے۔ اور کسی شوہر کے نکاح سے نکلنے کی صورتیں دو ہوتی ہیں، ایک یہ کہ شوہر کا انتقال ہو جائے۔ اس کی عدت کو عدت وفات کہا جاتا ہے جو غیر حاملہ کے لیے چار ماہ دس دن مقرر ہے، دوسری صورت نکاح سے نکلنے کی طلاق ہے۔ طلاق کی عدت غیر حاملہ عورت کے لیے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک تین حیض پورے ہیں، اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک تین طہر عدت طلاق ہے اور جن عورتوں کو ابھی کم عمری کی وجہ سے ماہواری کا خون نہیں آیا، یا زیادہ عمر ہو جانے کے سبب سے حیض آنا بند ہو گیا ہے ان کی عدت طلاق پورے تین ماہ ہیں، اور جو عورت حاملہ ہو اس کے حق میں عدتِ وفات اور عدت طلاق دونوں یکساں ہیں، اور وہ وضع حمل یعنی بچے کا جن دینا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کو "فَطَلِّقُوهُنَّ لِقُبُلِ عِدَّتِهِنَّ" تلاوت فرمایا اور حضرت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کی قرأت میں بھی یہی منقول ہے، (روح المعانی)

اور صحیحین، بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی عورت کو حیض کی حالت میں طلاق دیدی تھی۔ ان کے والد حضرت فاروق اعظمؓ نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ سخت ناراض ہوئے پھر فرمایا؟ ان کو چاہیے کہ بحالت حیض دی ہوئی طلاق سے رجوع کرلیں پھر اسے اپنی بیوی بنا کر رکھیں، یہاں تک کہ وہ عورت حیض سے پاک ہو جائے اور پھر اس کے بعد حیض آئے۔ اس حیض سے پاک ہو جائے۔ اس وقت اگر طلاق دینا ہی ہے، تو

اس پاکی کی حالت میں مباشرت وصحبت کیے بغیر طلاق دیدیں، یہی وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں حکم دیا ہے"[1]

بہر حال آیتِ مذکورہ کی دونوں قرأتوں اور حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ حالتِ حیض میں بھی طلاق دینا حرام ہے، اور ایسے طہر کی حالت میں جس میں عورت کے ساتھ مباشرت وصحبت کرلی ہو اس میں بھی طلاق دینا حرام ہے اور حرام ہونے کی وجہ دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں عورت کی عدت طویل ہو جائے گی، جو اس کے لیے باعثِ تکلیف ومشقت ہے کیونکہ جس حیض میں طلاق دی، یہ حیض تو عدت میں شمار نہ ہوگا، بلکہ حیض کے ایّام پورے ہوں، اور حضرت امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق اس کے بعد پاکی کا زمانہ بھی خالی گزرے پھر جب دوسرا حیض آئے تو اس وقت سے عدّت شروع ہوگی، جس میں عورت کی عدّت بڑی لمبی ہو جائے گی، جو اس کے لیے باعثِ تکلیف ہے، اس کی وجہ سے شریعتِ اسلامی نے حالتِ حیض میں عورتوں کو طلاق دینے سے سختی کے ساتھ روکا ہے جیساکہ حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ بالا روایت سے ثابت ہوا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدی ہے تو آپؐ سخت ناراض ہوئے، آپؐ کا ناراض ہونا اس کے غلط اور ممنوع ہونے کی کھلی دلیل ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدی تو حدیثِ مذکور اور فقہاءِ کرام کی تصریحات کے مطابق اس کے لیے رجعت کرلینا واجب ہے، بشرطیکہ اس طلاق میں رجعت کی گنجائش ہو، مثلاً تین سے کم طلاقِ رجعی دی گئی ہو،

---

[1] بخاری، مسلم، بحوالہ مشکوٰۃ، ص۲۸۳۔

صاحب قدوری کا خیال یہ ہے کہ رجعت کرنا صرف مستحب و اولیٰ ہے[1] باقی حالتِ حیض میں دی گئی طلاق بلاشبہ واقع ہو جائے گی، اگرچہ طلاق دینے والا گنہ گار ہوگا۔

بدزبان عورت کو طلاق

نکاح سے اسلام کا مقصد یہ ہے کہ اس رشتۂ نکاح کے ذریعہ میاں بیوی میل و محبت اور سکون کی زندگی گزاریں، ہر ایک دوسرے کی مصیبت و غم میں برابر کا شریک بنیں، اس مقصد کے حصول کے لیے عورت، مرد کو علیحدہ علیحدہ ہدایات دی گئیں، اللہ تبارک و تعالیٰ نے عورت کو مرد کے لیے باعث سکون اور دلجمعی و دلفریبی کا سامان بنایا ہے۔ لہٰذا اگر خدانخواستہ کوئی عورت ایسی ہو جو شوہر کے لیے بجائے راحت و سکون کے زحمت و پریشانی کا سبب بنے، اس کی زبان اور قول و فعل سے اسے تکلیف پہونچے تو ایسی صورت میں اسلام نے مرد کو اجازت دی ہے کہ وہ ایسی بدزبان عورت کو طلاق دے سکتا ہے، بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہر وقت مرد کے اوپر سوار رہتی ہیں، اور انہیں گالیاں دینے میں بھی کوئی عار و ندامت محسوس نہیں ہوتی، ایسی بداخلاق اور بدزبان عورت کو طلاق دینے میں شرعاً کوئی مواخذہ اور گرفت کا اندیشہ نہیں، البتہ اسے چھوڑ دینا بھی واجب نہیں ہے۔ حدیث کے اندر ایک صحابی کا واقعہ آیا ہے کہ ان کی بیوی بہت زبان دراز فحش گو تھی، انہوں نے اس کا تذکرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسے طلاق دیکر اپنے سے علیحدہ کر دو، پھر انہوں نے عرض کیا کہ حضور مجھے اس سے اولاد ہے اور مجھے اس سے تعلق و محبت بھی ہے تو آپ نے فرمایا کہ پھر اسے نصیحت و فہمائش کرتے رہو۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن لقیط بن صبرۃ قال قلت: یارسول اللہ: | حضرت لقیط بن صبرہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

---

(۱) الجوھرۃ النیرۃ، ج ۲، ص ۱۸، رد المحتار ج ۲، ص ۲۳۳، البحر الرائق، ج ۳، ص ۲۳۲

إِنَّ لِي امْرَأَةً فِي لِسَانِهَا شَيْءٌ يَعْنِي الْبَذَاءَ . قَالَ طَلِّقْهَا قُلْتُ إِنَّ لِي مِنْهَا وَلَدًا وَلَهَا صُحْبَةٌ قَالَ فَمُرْهَا يَقُولُ عِظْهَا فَإِنْ يَكُ فِيهَا خَيْرٌ فَسَتَقْبَلُ وَلَا تَضْرِبَنَّ ظَعِينَتَكَ ضَرْبَكَ أُمَيَّتَكَ ۔ (۱)

یارسول اللہ! میری عورت زبان دراز ہے اور فحش بکتی ہے، آپؐ نے فرمایا تم اس کو طلاق دیدو (یہ حکم وجوب کے لیے نہیں تھا) میں نے عرض کیا کہ مجھے اس سے اولاد ہے اور اس کے ساتھ پُرانی رفاقت و محبت ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے حکم کرو (کہ وہ اپنی زبان درست کرے) یعنی نصیحت کرو، اگر اس میں بھلائی ہوگی تو تمہاری نصیحت قبول کرے گی اور اسے لونڈی کی مار نہ مارو۔

اور البحر الرائق کے اندر ہے کہ اگر عورت ایسی ہو کہ ہر وقت شوہر پر مسلط رہتی ہو، اور اسے تکلیف پہونچاتی ہو یا نماز ادا نہ کرتی ہو تو ایسی عورت کو طلاق دینا مستحب ہے۔

وَفِي غَايَةِ الْبَيَانِ يُسْتَحَبُّ طَلَاقُهَا إِذَا كَانَتْ سَلِيطَةً مُؤْذِيَةً أَوْ تَارِكَةً لِلصَّلٰوةِ (۲)

طلاق دینا مستحب ہے جب کہ عورت شوہر پر مسلط رہتی ہو اسے اپنے قول و عمل سے تکلیف پہونچاتی ہو یا نماز چھوڑتی ہو۔

درمختار میں بھی غایۃ البیان سے یہ قول نقل کیا گیا ہے (۳)۔

بلاوجہ طلاق دینا سخت گناہ ہے

ہمارے معاشرہ میں ایک جان لیوا بیماری یہ بھی پھیلی ہوئی ہے کہ بعضے ناسمجھ لوگ بے قصور معمولی معمولی باتوں پر اپنی عورتوں کو طلاق دیدیتے ہیں کسی بات میں عورت سے یا اس کے والدین سے ترشی اور ناراضگی ہوئی فوراً عورت کو تین طلاق دیدی، اس طرح بے قصور عورت کو طلاق دیدینا خدا کے نزدیک سخت گناہ اور ناراضگی کا باعث ہے

---

(۱) رواہ ابوداؤد بسندہ، مشکوٰۃ، ص۲۸۲۔ (۲) البحرالرائق۔ ج۳، ص۲۳۷۔ (۳) درمختار علیٰ ھامش ردالمحتار ج۳۔ ص۲۲۹۔

جائز اور حلال چیزوں میں سب سے زیادہ خراب اور ناپسندیدہ چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقَ۔ (۱)	حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔

طلاق کی اجازت بدرجۂ مجبوری دی گئی ہے اس وقت جب کہ میاں بیوی میں نباہ کی کوئی صورت نہ ہو، صلح و مصالحت سے بھی کام چلنے والا نہ ہو۔ علامہ ابن الہمام طلاق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لَایَخْفیٰ اَنَّ کَلَامَهُمْ فِیْمَا سَیَاْتِیْ مِنَ التَّعَالِیْلِ یُصَرِّحُ بِاَنَّہٗ مَحْظُوْرٌ بِمَا فِیہِ من کفران نِعْمَةِ النِّکَاحِ۔ (۲)۔	فقہاء کرام کے کلام سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ بے وجہ طلاق دینا ممنوع ہے کیوں کہ اس میں نعمت نکاح کی ناقدری اور ناشکری ہے۔

اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

إنّ الاصل فی الطلاق هو الحظر لما فیه من قطع النکاح الذی تعلقت به المصالح الدینیّة والدّنیاویة والاباحة للحاجة۔ (۳)	اصل طلاق میں ممانعت ہی ہے کیونکہ طلاق دینے میں اس نکاح کو ختم کرنا لازم آتا ہے جس سے بہت سے دینی اور دنیاوی مصلحتیں متعلق ہیں، طلاق بس سخت ضرورت کے وقت ہی مباح ہے۔

اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ طلاق اس وقت ہی مباح ہے اور اس کے دینے کی گنجائش ہے، جب طلاق دیئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔ اصلاح حال اور صلح و مصالحت کی کوششیں بے کار ثابت ہو چکی ہوں۔

بلا کسی معقول وجہ کے طلاق دینا سخت گناہ ہے جو لوگ بیوی کے معمولی

---

(۱) ابوداؤد، ج ۱، ص ۳۱۲۔ مشکوٰۃ، ص ۲۸۳۔ (۲) فتح القدیر، ج ۳، ص ۳۲۲ (۳) ہدایہ، ج ۲، ص ۳۳۵۔ فتح القدیر مع الہدایۃ، ج ۳، ص ۳۲۱

قصور بلکہ بے قصور بھی طلاق دے ڈالتے ہیں، وہ شریعت اسلامی کی نگاہ میں قابلِ گرفت اور لائق ملامت ہیں، بلکہ ایسی حرکت کرنے والے افراد مستحق سزا اور لائق تعزیر و سرزنش بھی ہیں تاکہ اس سے دوسرے لوگوں کو عبرت ہو اور بلا وجہ لوگ اللہ کی بندیوں کو ضرر نہ پہونچائیں (۱)۔

بلاضرورت طلاق مانگنے والی عورت کے حق میں وعید

اسی طرح معاشرے میں بعض ناداں و نافہم ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو بلاضرورت معمولی معمولی باتوں پر اپنے شوہروں سے طلاق مانگنے لگتی ہیں، ایسی عورتوں کے بارے میں حدیث پاک کے اندر سخت وعید وارد ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا اِمْرَأَۃٍ سَأَلَتْ زَوْجَھَا طَلَاقًا فِیْ غَیْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَیْھَا رَائِحَۃُ الْجَنَّۃِ۔ (۲)

حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اپنے خاوند سے بلاضرورت و حاجت طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی۔

جس نے بلاضرورت دنیا میں اپنے خاوند سے طلاق دینے کا مطالبہ کیا تھا، جنت کی خوشبو تک اس پر حرام کردی جائے گی، اور آخرت میں اس کے لیے محرومی ہی محرومی اور خسران ہی خسران ہوگا۔

کیا والدین کے حکم سے بیوی کو طلاق دی جاسکتی ہے؟

ہمارے معاشرہ میں تعلیماتِ اسلامی اور احکامِ شرعی سے دوری اور

---

(۱) معاشرتی مسائل، ص ۱۵۱۔ (۲) مشکوٰۃ ص ۔

ناواقفیت کی وجہ سے ایک بُرائی یہ بھی ہے کہ بعض والدین کو اگران کی بہوسے معمولی ان بن اور ناچاقی ہوجاتی ہے تو اپنے لڑکے کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ طلاق دیکر اپنی بیوی کو الگ کردیں، انہیں ذرا بھی خیال نہیں آتا کہ اس سلسلہ میں اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کیا ہیں ؟ کیا انہیں شرعاً یہ حق پہونچتا ہے کہ بلا کسی معقول شرعی وجہ کے وہ اپنے لڑکوں کو طلاق دینے پر مجبور کریں۔

☆ اس سلسلہ میں حدیث کی کتابوں میں حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق یہ واقعہ منقول ہے کہ والد نے ان کی شادی ایسی لڑکی سے کردی جس سے حضرت ابن عمرؓ کو بے حد لگاؤ اور محبت و تعلق ہوگیا۔ اور تعلق اس قدر بڑھ گیا کہ بیوی کی جدائی ان پر سخت مشکل و پریشانی کا سبب بنتی، یہاں تک کہ انہیں یہ خدشہ ہونے لگا کہ جماعت وغیرہ میں شریک ہونا مشکل ہوجائے گا۔ مگر حضرت ابن عمرؓ تعلق و محبت کی وجہ سے اس کا احساس نہیں کرپارہے تھے، اور طلاق دینا ان کے لیے دشوار معلوم ہورہا تھا، حضرت فاروق اعظمؓ نے جب بیٹے کا یہ حال دیکھا تو انہیں حکم دیا کہ طلاق دیکر اس بیوی کو الگ کردو، مبادا اس کی محبت وبالِ جان بن جائے، اور خداوندِ قدوس کی عبادت میں خلل ورکاوٹ نہ پڑجائے۔ حضرت ابن عمرؓ نے والد بزرگوار کا یہ حکم سنا تو چونکہ طلاق دینا ارشاد نبویؐ کے مطابق مباح چیزوں میں سب سے زیادہ عند اللہ ناپسند اور مبغوض ہے، دوسری طرف انہیں بیوی سے بتقاضائے بشریت بے حد تعلق ہوگیا تھا، اس لیے طلاق دینا ان کے نفس پر شاق گزر رہا تھا، اور طلاق نہ دینے کی صورت میں والد کی نافرمانی ہورہی تھی، جو عند اللہ سخت گناہ ہے تو انہوں نے اس سلسلہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ ابا جان طلاق دینے کا حکم دے رہے ہیں، ادھر آپؐ کو یہ علم تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ جیسا شخص بلا وجہ شرعی اپنے بیٹے کو کیوں طلاق دلوائے گا، اس لیے آپؐ نے ارشاد فرمایا، کہ ابن عمر جب والد کا حکم ہے تو طلاق دیدو۔

روایت کے الفاظ یہ ہیں :

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ تَحْتِيْ امْرَأَةٌ أُحِبُّهَا وَكَانَ أَبِيْ يَكْرَهُهَا فَأَمَرَنِيْ أَنْ أُطَلِّقَهَا فَأَبَيْتُ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ طَلِّقْ امْرَأَتَكَ (۱)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میری ایک بیوی تھی جس سے مجھے بیحد تعلق تھا اور میرے والد کو وہ ناپسند تھی تو انہوں مجھے حکم دیا کہ میں اسے طلاق دیدوں تو میں نے اس سے انکار کر دیا پھر میں نے اس کا تذکرہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابن عمر اپنی بیوی کو طلاق دیدو ۔

اِس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی شرعی وجہ کی بناء پر والدین یہ حکم دیں کہ اپنی عورت کو طلاق دیدو تو ان کے حکم کی تعمیل کی جائے گی ، مگر ظاہر ہے کہ اس دور میں ایسا بہت کم ہوتا ہے اسی لیے فقہاء اور علماء امت نے اس میں تفصیل بیان فرمائی ہے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" اگر کسی کی بیوی سے کوئی (واقعی) تکلیف اور رنج اس شخص کے والدین کو نہ پہونچتا ہو، خواہ مخواہ والدین اس شخص کو حکم کریں کہ تو اپنی عورت کو طلاق دیدے ، اس کہنے کی تعمیل اس آدمی پر ضروری نہیں ، بلکہ اس صورت میں طلاق دینا عورت پر ایک طرح کا ظلم کرنا ہے ، طلاق اللہ پاک کے نزدیک بڑی بری چیز ہے ، فقط مجبوری میں جائز رکھی گئی ہے ، خواہ مخواہ طلاق دینا ظلم اور مکروہ تحریمی ہے۔(۲)"

★★★ کویت کے وزارتِ حج واوقاف و امورِ دینیہ کی طرف سے شائع ہونے والے ماہنامہ" الوعی الاسلامی" میں فتاویٰ کے باب میں ایک شخص کا استفتاء

---

(۱) ترمذی ، ج ۱ ، ص۱۴۲ ۔ (۲) ازالۃ الرین عن حقوق الوالدین ، ص۶ ۔

ان الفاظ میں درج ہے :

أُمِّي تُصِرُّ عَلَيَّ أَنْ أُطَلِّقَ زَوْجَتِي وَزَوْجَتِي مُطِيعَةٌ وَعَلَى خُلُقٍ وَلِي مِنْهَا وَلَدٌ وَبِنْتٌ وَأَنَا حَائِرٌ بَيْنَ إِرْضَاءِ أُمِّي وَظُلْمِ زَوْجَتِي فَمَاذَا أَفْعَلُ ؟

میری ماں کا اصرار ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیدوں حالانکہ میری بیوی میری فرمانبردار اور میرے حق میں خلیق ہے اور اس سے میرا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے، میں حیران ہوں کہ اپنی ماں کو راضی رکھوں یا اپنی بیوی پر ظلم کروں، آخر کیا کروں؟

اس سوال کا جواب جو مذکورہ ماہنامہ میں شائع ہوا ہے وہ یہ ہے۔

أمك مادامت تحب لك السعادة فما ينبغي أن تحكم عليك بفراق زوجة تحبها وتطمئن إلى أخلاقها وهل كانت أمك تقبل أن يطلقها أبوك تنفيذاً لرغبة أمه فكيف ترضى لغيرها ما لا ترضاه لنفسها؛ فهذا خلق غير إسلامي لأن المسلم يحب لأخيه ما يحب لنفسه ويكره لأخيه ما يكره لنفسه طاعتك لأمك في مثل هذه الحالة يترتب عليها ظلمٌ لزوجة بريئة وفيها تشريد للأولاد ومخالفة لأمر الله ولا طاعة لمخلوق في معصية الخالق كما إنك مطالب ببر أمك والإحسان إليها وإكرامها أنت مطالبٌ في الوقت نفسه بأن لا تظلم زوجة تطيعك وتصونك وترعى أولادك

آپ کی ماں اگر آپ کی بہتری کی خواہاں ہیں، تو انہیں مناسب نہیں کہ آپ کو آپ کی ایسی بیوی سے جدا ہو جانے کا حکم دیں جس سے آپ کو محبت ہو اور جس کے اخلاق و اطوار سے آپ مطمئن ہوں کیا آپ کی ماں اس صورت حال کو قبول کریں گی کہ آپ کے والد اپنی ماں (یعنی آپ کی دادی کا حکم مان کر آپ کی ماں کو طلاق دیدیں۔ پھر سوچئے جس صورت حال کو وہ اپنے لیے پسند نہیں کر سکتیں وہ اپنے علاوہ کے لیے کیسے پسند کر رہی ہیں۔ یہ اسلامی اخلاق نہیں، مسلمان کو اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرنا چاہیے جو اپنے لیے پسند کرے اور اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہ بات ناپسند کرنی چاہیے جو اپنے لیے ناپسند ہو۔ موجودہ صورت حال میں اگر آپ اپنی والدہ کا کہنا مانیں گے تو اس سے آپ کی بیوی پر ظلم ہوگا جو نہیں ہونا چاہیے، اس کے علاوہ آپ کے بچے بھی تتر بتر ہو جائیں گے اس میں حکم الٰہی کی مخالفت بھی ہے اور خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، آپ جس طرح اپنی ماں

ومن حق الزوجة إن يكرمها ويحسن
عشرتها ويمسكها بمعروف ولايغدر
بها وقد كان الرسول صلى الله عليه
وسلم كثيراً ما يوصى بالنساء خيراً وهو
القائلُ اكمل المؤمنين إيماناً احسنهم
خلقاً وخياركم خياركم لنسائهمْ عليك
إن تقوم با صلاح ذات البين تفاهم مع
زوجتك لتقوم بخدمة أمك وودها
والاخلاص فى خدمتها فهى فى مركز
امّها تبذل فى سبيل رضاها الكثير من
المحاولات لتستل الحقد من قبلها
وإذا اصرت أمك على طلاق بعد ذالك
فلا تطعها فليس من البر طاعة الوالدين
فيما يؤدى إلى خراب البيت وكسر
القلوب، سعد بن ابى وقاص رضى
الله عنهُ لما اسلمَ كان باراً با مه
ولكنّها هددتهُ إذ الم يرجع الى الشرك
بأنّها تمتنع عن الاكل والشرب حتى
تموت ويعيرهُ النّاس بأنّهُ قتل أمّهُ
وامتنعت ثلاثة ايام فقال إعلمى و
الله لو كانت لك مائة نفس فخرجت
نفساً نفساً ما تركت دينى هذا الشئ ،

کے ساتھ اچھے سلوک اور ان کی تعظیم و تکریم کے
سلسلے میں جوابدہ ہیں، بعینہ اسی طرح اور اسی وقت
آپ اس بات کے بھی جوابدہ ہیں کہ آپ اپنی اطاعت
گزار، فرمانبردار اور بچوں کی دیکھ بھال و پرورش
کرنے والی بیوی پر ظلم نہ کریں. بیوی کا بھی یہ حق ہے
کہ شوہر اس کا اعزاز و اکرام کرے اس کے ساتھ اچھی
طرح رہے سہے. اسے بھلائی کے ساتھ اپنے گھر رکھے،
اس کے ساتھ دھوکہ بازی نہ کرے. رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی بہت نصیحت
کیا کرتے تھے، حضورؐ کا ہی فرمان ہے کہ مؤمنین میں کامل
ایمان والا وہ شخص ہے جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے
سب سے اچھا ہو، اور تم میں سب سے بہترین وہ ہے جو
اپنی بیویوں کے حق میں بہتر ہو" آپ کی ذمہ داری ہے
کہ افہام و تفہیم کے ذریعہ باہمی رنجش کو ختم کریں، بیوی
کو سمجھائیے کہ وہ آپ کی والدہ کی خدمت کرے، ان سے
اخلاص و محبت کے ساتھ پیش آئے، اس لیے کہ وہ اس
کی ماں کے درجہ میں ہیں، اسے چاہیے کہ وہ آپ کی والدہ
کی رضا جوئی میں زیادہ سے زیادہ کوشش صرف کرے
تاکہ ان کے دل سے آپ کی بیوی کی طرف سے میل نکل
جائے، لیکن ان سب کے باوجود اگر آپ کی والدہ طلاق
پر ہی اصرار کرتی رہیں تو ان کا کہنا نہ مانئے. اس لیے کہ جب
گھر برباد ہو رہے ہوں، اور دل ٹوٹ رہے ہوں،

فان شئتِ فکلی وان شئتِ فلا تاکلی وفی ذالك یقول اللہ تعالیٰ: وان جاھداك علی ان تشرك بی ما لیس لك به علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا۔ المھم حاول الاصلاح بینھما ولا تیأس واصل برّ اُمّك ولا تظلم زوجتك۔ (۱)

تو والدین کی اطاعت نیکی نہیں ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اپنی والدہ کے بڑے فرمانبردار تھے، جب وہ اسلام لائے تو ان کی والدہ نے انہیں ڈرایا دھمکایا اور دوبارہ شرک کی طرف لوٹ جانے کی تلقین کی، یہاں تک کہ اسی لیے انہوں نے کھانا پینا بند کر دیا اور کہا کہ جب تک سعد اسلام سے پھیریں گے نہیں، میں کھاؤں گی پیوں گی نہیں، خواہ اسی طرح بھوکی پیاسی مرجاؤں، لوگوں نے حضرت سعد کو عار دلائی کہ تم اپنی ماں کو قتل کر رہے ہو، اسی طرح ان کی ماں تین دن تک بھوکی پیاسی رہیں، حضرت سعدؓ نے اپنی ماں سے کہا کہ دیکھو اگر تمہاری سو جانیں ہو جائیں اور ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تو بھی میں کسی کے لیے اپنا دین نہیں چھوڑ سکتا، کھانا ہو تو کھاؤ نہ کھانا ہو نہ کھاؤ۔

اسی واقعہ کے متعلق یہ آیت اتری: "وَاِنْ جَاهَدَاكَ الخ" اگر تمہارے والدین تم سے یہ کوشش کریں کہ تم میرے ساتھ شریک ٹھہراؤ جس کا تمہیں علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کرو، اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو ——— اہم بات یہ ہے کہ آپ دونوں کے درمیان اصلاح کی کوشش جاری رکھیے اور مایوسی کا شکار نہ ہوئیے، اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کیجئے، مگر اپنی بیوی پر ظلم نہ کیجئے۔

یہی ہر اس شخص کے سوال کا جواب ہے جس کی بیوی خدمت گزار گھر کی نگہبان اور اپنے بچوں پر شفیق ہو اور اپنے سسر وساس کی تعظیم وتکریم اور ان کی خدمت میں لگی رہتی ہو، اور نہ اس کے اندر دینی اعتبار سے کوئی خرابی ہو، اگر ایسی عورت کو والدین طلاق دینے کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

---

(۱) ماھنامة الوعی الاسلامی، کویت جمادی الاخری ۱۴۰۳ھ ص ۱۲۱

طلاق کے سلسلہ میں ایک ضروری وضاحت

اس سے قبل یہ بات گزر چکی ہے کہ طلاقِ رجعی خواہ ایک ہو یا دو، اس میں دورانِ عدت شوہر کو یہ حق رہتا ہے کہ اس سے رجعت کر کے اسے اپنی بیوی بنا کر حسب سابق رکھے، لیکن اگر اس نے عدّت کے دوران اس مطلقہ سے رجوع نہیں کیا اور عورت کی عدت پورے تین حیض یا نابالغہ اور عمر دراز ہونے کی صورت میں تین ماہ پورے ہو گیے، تو اس کی عدّت ختم ہو گئی اور وہ بائنہ ہو گئی یعنی رشتہ نکاح ختم ہو گیا، اب اگر دوبارہ وہ شخص اس عورت کو اپنی بیوی بنا کر رکھنا چاہے تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ عورت کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرے (۱)

اس طرح یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ایک ساتھ تین طلاق دینا شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ امر ہے، لیکن اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تو تینوں واقع ہو کر حرمتِ مغلظہ ہو جائے گی، اور شوہر بیوی دونوں ایک دوسرے کے حق میں اجنبی کے حکم میں ہو جائیں گے، عورت کے لیے اس سے پردہ وغیرہ کرنا ضروری ہوگا (۲)

اسی طرح یہ امر بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اگر کسی نے زندگی میں اپنی بیوی کو دو طلاق رجعی دیدی اور پھر اس سے رجوع کر لیا، تو اگرچہ اس طرح وہ بیوی اس کے نکاح میں لوٹ جائے گی، لیکن زندگی میں اگر ایک مرتبہ بھی کبھی طلاق

---

(۱) فی الدر المختار: وینکح مبانۃ بما دون الثلاث فی العدۃ وبعدھا بالاجماع، درمختار علی ھامش رد المحتار ص ۴۰۹ ج ۲ (۲) فی رد المحتار، وذھب جمھور الصحابۃ والتابعین الی انہ یقع ثلاث. ص ۲۳۳ ج ۲

دیدے گا تو اسی ایک طلاق سے عورت مغلظہ ہو جائے گی، کیوں کہ مرد کو اپنی عورت پر تین طلاقوں کا حق حاصل ہوتا ہے اسے چاہیے تو ضرورت شرعی کی بناء پر ایک ایک کرکے استعمال کرے، جیسا کہ طلاق احسن کے ذیل میں تفصیل گزری، یا تینوں کو ایک ساتھ واقع کردے، اگر دو طلاق ایک ساتھ دے کر عورت کو اپنے نکاح میں لوٹا لیا تو گویا وہ اپنی دو طلاق استعمال کر چکا، پھر جب کبھی ایک طلاق دے گا تین طلاقیں ہو جائیں گی۔[1]

اسلام میں طلاق کی اجازت کیوں دی گئی

اسلام کے احکام و تعلیمات فطرت انسانی سے ہم آہنگ اور اس کے موافق ہیں، اس کا کوئی حکم فطرتِ انسانی کے مخالف اور اس سے متصادم نہیں، بلاشبہ اس نے مرد و زن کے رشتۂ نکاح اور تعلق زوجیت کو نہایت پسندیدہ اور مقبول عمل قرار دیا ہے، کیونکہ اسی پر انسانیت کا وجود موقوف ہے اور اس پاک رشتہ کے ذریعہ مرد عورت اپنے کو پاکدامن رکھتے ہیں، پھر نکاح محض آپسی معاہدہ یا اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے باہمی سمجھوتہ ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر نسل انسانی کی بقاء اور قرب خداوندی و رضاء الٰہی کا وسیلہ اور ایک اہم ترین عبادت بھی ہے بعض احادیث میں اسے آدھا دین قرار دیا گیا ہے[2] اور اسی لیے اسلام نے اس نازک رشتہ کی بقاء و مضبوطی کے لیے میاں بیوی میں سے ہر ایک کو ہدایات دی ہیں، اور اس کے توڑنے کو سنگین جرم قرار دیا ہے۔

---

(۱) درمختار علی ہامش ردالمحتار ص ۴۰۸ ج ۲ (۲) مشکوٰۃ ص ۲۶۸ کتاب النکاح

مگر بسا اوقات داخلی اور خارجی معاملات و وجوہ کے پیش نظر ازدواجی زندگی نہایت نازک مرحلہ میں پڑ جاتی ہے، اور اس نازک ترین رشتہ کو باہمی الفت و محبت اور خوشگواری کے ساتھ باقی رکھنا مشکل ہو جاتا ہے، صلح و مصالحت اور افہام و تفہیم کے ذریعہ بھی اس مقدس رشتہ کو باقی رکھنا ممکن نہیں رہتا تو ایسے حالات و ماحول میں میاں بیوی کو اس رشتہ کو برقرار رکھنے پر مجبور کرنا اور جدائی کی اجازت نہ دینا یقیناً فطرتِ انسانی کے خلاف اور غیر معقول امر ہے چنانچہ ایسی نازک صورتِ حال میں جب کہ دونوں کے درمیان اصلاح و مصالحت کی تمام کوششیں بیکار ہو جائیں، اسلام نے طلاق کی اجازت دی تاکہ اس کے ذریعہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنی راحت و آسائش اور زندگی گزارنے کے لیے کوئی دوسرا موزوں رشتہ تلاش کر کے خوش و خرم زندگی گزاریں، اگر ایسے وقت میں بھی اسلام طلاق کی اجازت نہ دیتا تو یقیناً دونوں کے لیے نقصان دہ ہوتا، اور دونوں کی زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی، اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسلام نے طلاق کی اجازت دی اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ عمل ہے، اس سے عرش خداوندی بھی لرز اٹھتا ہے لہذا شدید ضرورت کے بغیر طلاق کا اقدام اچھا نہیں ہے اور اسی وجہ سے تمام فقہائے کرام نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی بھی نشاندہی کر دی ہے کہ یہ نازک صورتِ حال کا وقتی حل ہے، صاحب درمختار طلاق کے جواز پر بحث کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

وایقاعہ مباح عند العامۃ وقیل الاصح حظرہ الا لحاجۃ ۔ (۱)	طلاق دینا (شرعاً) مباح ہے عام علماء کرام کے نزدیک اور ایک قول یہ ہے کہ زیادہ صحیح اس کا ممنوع ہونا ہے مگر ضرورت کی وجہ سے۔

(۱) درمختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۲ ۔

اور علامہ شامی نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے :

ولهذا قالوا إن سببه الحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم اقامة حدود الله تعالى ۔ (۱)	اور اسی لیے فقہائے کرام نے کہا ہے کہ طلاق کی مشروعیت کا سبب چھٹکارا حاصل کرنے کی ضرورت ہے جب کہ میاں بیوی کے اخلاق میں دوری پیدا ہو جائے اور ایسا بغض و عداوت پیدا ہو جائے جس کے ذریعہ اللہ کے حدود کو قائم رکھنا ممکن نہ ہو۔

علامہ ابن الہمام صاحب فتح القدیر اور علامہ ابن نجیم صاحب البحر الرائق وغیرہم نے بھی طلاق کی مشروعیت کا یہی سبب بیان کیا ہے (۲)۔ سند العلماء محدث دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے بھی ایسے حالات میں طلاق کی اجازت و مشروعیت کو ایک فطری اور معقول امر قرار دیا ہے، چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:
لیکن اس کے باوجود اس باب (طلاق) کا بالکل بند کرنا اور اس میں تنگی کرنا بھی ممکن نہیں ہے کیوں کہ کبھی زوجین میں آپسی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے یا تو ان دونوں کی بد خلقی کی وجہ سے یا میاں بیوی میں سے کسی ایک کے ایک دوسرے اجنبی انسان کے حسن کی طرف راغب ہو جانے کی وجہ سے یا باہمی رزق کی تنگی کی وجہ سے یا ان میں سے کسی ایک کی حماقت و نادانی کی وجہ سے اور اسی قسم کے دیگر اسباب کی وجہ سے تو اس صورت حال کے ہوتے ہوئے اس رشتہ ازدواج کو ہمیشہ باقی رکھنا بلاء عظیم اور تنگی میں مبتلا کرنا ہے (۳)۔

---

(۱) ردالمحتار ۔ ص ۲۲۸ (۲) فتح القدیر، ج ۳، ص ۳۲۶ ۔ البحر الرائق، ج ۳، ص ۲۳۶ ۔ (۳) اصل عبارت کے لیے دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ ۔ ص ۱۳۸ ج ۲

جن مذاہب میں طلاق کی اجازت نہیں ہے اس کے تباہ کن اثرات کا ایک جائزہ

اب آئیے! اور ذرا ان مذاہب کا بھی غائرانہ مطالعہ کیجئے جن میں مرد و عورت کو ایک ساتھ بندھ جانے کے بعد طلاق و تفریق کا بالکل حق ہی نہیں دیا گیا، مثلاً بعض مذاہب میں یہ حکم ہے کہ چاہے بیوی کا انتقال ہو جائے، یا شوہر کا نہ تو ان میں کوئی دوسرا نکاح کر سکتا اور نہ اختلاف و بگاڑ کی صورت میں شوہر طلاق دیکر اپنی عورت کو علیحدہ کر سکتا ہے اور نہ ہی عورت کسی بھی طرح فسخ و تفریق حاصل کر سکتی ہے اس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ اپنی تلخ زندگی سے عاجز و تنگ آکر خودکشی جیسے سنگین جرم کا ارتکاب کر لیتے ہیں اور بعض غیر مسلم صرف دوسری شادی کرنے کی غرض سے اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیتے ہیں، کیونکہ مذہب اسلام ہی وہ پاکیزہ دین ہے جو عدل و مساوات کی شرط کے ساتھ بیک وقت ایک مرد کو چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

تو جس طرح نکاح ثانی کی اجازت نہ دینا اور صرف ایک شادی پر مجبور کرنا فطرت انسانی کے خلاف اور غیر معقول امر ہے اسی طرح مطلقاً طلاق و تفریق کا دروازہ بند کر دینا اور کسی بھی حال میں اس کی اجازت نہ دینا بھی ظلم اور انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

طلاق کی زیادتی اور اس کے تباہ کن مفاسد

پھر چوں کہ طلاق کی اجازت و مشروعیت ایک نہایت نازک اور ہنگامی صورتِ حال کا حل ہے۔ اسلام نے اپنی تعلیمات میں حتی الامکان اس بات پر

زور دیا ہے کہ باہمی نبھاؤ اور آپسی صلح و مصالحت کی بھرپور کوشش کی جائے۔ اس لیے نہایت غور و فکر اور آپسی صورت حال کا مکمل جائزہ لینے کے بعد طلاق دینے کا فیصلہ کرنا چاہیے، اور آخری حد تک کوشش و سعی کرنی چاہیے، کہ رشتۂ نکاح کو ختم نہ کرنا پڑے، نہ یہ کہ ذرا ذرا سی باتوں پر طلاق کا اقدام کیا جائے جو تمام معاشرہ اور خاندان و برادری کے لیے نہایت ہی تباہ کن مفاسد کا پیش خیمہ ہے جس سے نہ گھریلو نظام درست رہ پاتا ہے اور نہ ہی وہ مفید اور کارآمد اسکیمیں بروئے کار آپاتی ہیں، جن سے انسان کو نہ صرف یہ کہ امور خانہ داری میں فائدہ پہونچتا ہے، بلکہ معاشرتی اور اجتماعی سطح پر بھی اس کے اچھے و مفید ثمرات ظاہر ہوتے ہیں اور یہی وہ راز ہے جس کی بنا پر شریعت نے طلاق کو "اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ" (اللہ کے نزدیک سب سے مبغوض چیز طلاق ہے) قرار دیا ہے، نیز "ازدواجی زندگی" سے متعلق دونوں کو ایسی ہدایات دیں کہ ان پر عمل پیرا ہونے سے اس طرح کی نازک صورتِ حال سامنے ہی نہ آئے کہ طلاق جیسی ناپسندیدہ چیز پر اقدام کرنا پڑے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے کثرتِ طلاق کے مفاسد اور نقصان دہ نتائج کا جائزہ اس طرح لیا ہے۔ "واضح ہوا کہ طلاق کی کثرت اور بے پرواہی کے ساتھ طلاق کی رسم کے چل پڑنے میں بڑی خرابیاں ہیں، اور وہ اس طرح کہ بہت سے لوگ نفسانی شہوت کے پابند ہوتے ہیں ان کا مقصد نہ تو خانگی نظام کو برقرار رکھنا ہوتا ہے نہ ہی مفید اسکیموں میں باہمی تعاون اور نہ شرمگاہ کی حفاظت، بلکہ ان کا مطمعِ نظر صرف عورتوں سے لذت حاصل کرنا اور ہر نئی عورت کا مزہ چکھنا ہوتا ہے تو ان کا یہ (فاسد ذوق) ان کو کثرت سے طلاق دینے اور کثرت سے نکاح کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔"

ایسے لوگوں میں اور زانیوں میں انجام ونتیجہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں رہتا، اگرچہ (بصورت ظاہری) سنت نکاح کے قیام اور تدبیر مدنیہ کی موافقت کی وجہ سے وہ بدکاروں سے ممتاز ہوں، چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے "مزہ چکھنے والوں اور مزہ چکھنے والیوں پر خدا کی لعنت ہے"۔

نیز اس رسم کے جاری ہو جانے میں ہمیشہ ایک دوسرے کی معاونت پر نفس کے پابند کرنے کو ترک کرنا ہے اور بہت ممکن ہے اگر اس باب میں وسعت دی جائے تو خاوند یا بیوی کا دل ذرا ذرا سی باتوں پر تنگ آجائے اور وہ ایک دوسرے سے جدائی کا ارادہ کرلیں، اور (ظاہر ہے کہ) اس بات کو صحبت کا بوجھ اٹھانے اور اس نظام کی ہمیشگی پر اتفاق سے کیا نسبت ہے؟

نیز عورتوں کا اس چیز کے ساتھ عادی ہو جانا اور لوگوں کا ان باتوں کی پرواہ نہ کرنا اور اس پر ان کا کچھ غم وافسوس نہ کرنا عریانیت وبے حیائی کے دروازہ کو کھول دے گا اور ان میں یہ ذہن پیدا کر دے گا کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے نقصان کو اپنا نقصان نہ سمجھے گا، اور ایک دوسرے کی حق تلفی کرے گا، اور جدائی کا خیال کرکے اپنے لیے تیاری میں مصروف رہے گا اور اس میں بڑی بڑی قباحتیں ہیں جو ظاہر ہیں[1]۔

طلاق کے اہم اسباب

طلاق کا پہلا اہم سبب! حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے

---

(۱) حجۃ البالغہ، ج/۲، ص۱۳۸۔

ان عبارات کے اندر طلاق کی کثرت کے مفاسد اور اس کے اہم اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کا ایک اہم سبب جس کے نتیجہ میں ہزاروں افراد بلا قصور اپنی عورتوں کو طلاق دیتے ہیں، اور وہ نفسیاتی خواہشات کے پابند افراد ہیں جن کا نکاح سے مقصد صرف اپنی جنسی خواہش کو پوری کرنا اور ہوس رانی ہوتا ہے، ان کا مقصد نہ تو عفت وعصمت اور نہ باہمی الفت ومحبت کے ذریعہ ایک دوسرے کے رنج وغم میں شریک بننا ہوتا ہے اور نہ ان کا مقصد نظام خانگی کو برقرار رکھنا ہوتا ہے، یہ غیر اسلامی طریقہ ہے، اسی وجہ سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں اور عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جو صرف ذائقہ چشی کے لیے نکاح کرتے ہیں۔

یورپ میں طلاق کی وبا

حضرت شاہ صاحب کی یہ بات آج یورپ جیسے متمدن اقوام پر پورے طور پر صادق آرہی ہے، ہر شخص صرف اپنی جنسی شہوت کی تکمیل کے لیے ہمہ وقت سرگرداں نظر آتا ہے اور مرد وزن کے ملاپ کا مقصد صرف شہوت رانی اور جنسی خواہش کی تکمیل ہے اور اسی وجہ سے ان قوموں میں طلاق کی وبا عام ہے اور جتنی شادیاں ہوتی ہیں اتنی ہی طلاق کے واقعات بھی پیش آتے ہیں، چنانچہ مولانا مودودی ایک یورپین مؤرخ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"طلاق اور تفریق کے واقعات بڑھتے جارہے ہیں اور اگر یہی حالت رہی جیسی کہ امید ہے تو غالبا ملک کے اکثر حصوں میں جتنے شادی کے لائسنس دیئے جائیں گے اتنے ہی طلاق کے مقدمے پیش ہوں گے"۔[۱]

---

(۱) بحوالہ پردہ ص ۱۲۰

طلاق کا دوسرا اہم سبب

ہمارے معاشرہ میں طلاق کا دوسرا سبب مال و دولت کی لالچ اور حرص و طمع ہے عام طور پر لوگ بیاہ شادی کا مقصد دولت و ثروت اور جہیز وغیرہ کا حصول سمجھتے ہیں، اگر جہیز اور لین دین کے تمام مطالبات پورے نہیں کیے گیے تو رفتہ رفتہ لڑکے کے والدین بہو سے عداوت و نفرت کرنے لگتے ہیں، اور خود شوہر بھی ایسی بیوی کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے، پھر کچھ دنوں کے بعد یہ معاملہ بڑھتے بڑھتے طلاق و تفریق کی نوبت آجاتی ہے، اور بعض ناترس تو اس غریب و معصوم لڑکی کی جانِ عزیز کو ہلاک کر کے اپنی ہوس کی دیوی کو خوش کرتے ہیں۔

اس طرح کے لوگ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں نہایت مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں، اور ایک حدیث پاک میں پیارے رسول کا ارشاد ہے کہ جو لوگ مال و دولت کی لالچ میں شادیاں کرتے ہیں ایسے لوگوں کو سوائے فقر و فاقہ اور تنگدستی کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا [1] آپ ذرا طلاق کے واقعات کا جائزہ لیجئے اور اس کے اسباب تلاش کیجئے تو کم سے کم اپنے معاشرہ میں طلاق دینے والوں میں ۲۵ فیصد ایسے افراد ضرور ملیں گے جنھوں نے اپنی بیویوں کو صرف کم جہیز لانے یا مطالبات پورے نہ کرنے کی وجہ سے طلاق دیدی، یا ان کے والدین نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنی بیویوں کو طلاق دیدیں ایک کلمہ گو کے لیے یہ بات کتنی شرمناک اور باعثِ حیرت و استعجاب ہے کہ طلاق جیسی ناپسندیدہ حرکت جس کے استعمال کرتے وقت خداوند قدوس کا عرش

---

(۱) ومن تزوجها لمالها لم يزده الله الا فقرًا۔ رد المحتار ج ۲ ص ۔ کتاب النکاح۔

لرزاٹھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ اور مبغوض چیز ہے اس کا استعمال صرف مال و دولت نہ ملنے کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو میدانِ حشر میں کیا منہ دکھائیں گے ؟۔

طلاق کا تیسرا اہم سبب

اسی طرح کچھ کوتاہ عقل افراد عورت کے حسن و جمال کو مدار نکاح سمجھتے ہیں اور حسب منشار بیوی کے حسین و جمیل اور خوبرو نہ ہونے کی صورت میں اس کی زندگی سے کھلواڑ کرتے اور محض اس وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دیدیتے ہیں، کہ ان کی چاہت و منشار کے مطابق قدرت نے اس عورت کو حسن و جمال کی دولت سے نہیں نوازا۔ ذرا سوچیئے! کیا آدمی کا شکیل و جمیل ہونا اس کا خود اختیاری عمل ہے، اگر نہیں ہے تو پھر عورت کو اس جرم میں طلاق دینے کا حق کس طرح پہونچتا ہے ؟۔

ایسے ناہنجار لوگوں کے دلوں پر دستک دیتے ہوئے اللہ کی مقدس کتاب فرمانِ خداوندی سناتی ہے :

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝ (۱)	اگر وہ بیویاں تم کو ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو اللہ تعالیٰ نے اس میں کوئی بھلائی پوشیدہ کر رکھی ہو۔

حکم الٰہی کا مفہوم قطعی طور پر ظاہر ہے کہ اگر تم صرف ظاہری حسن و جمال کی طرف جاتے ہو اور عورت کے خوبرو اور قبول صورت نہ ہونے کی صورت میں اس کو طلاق

---

(۱) سورۃ النساء۔ پ۴۔ آیت ۳۔

دیکر اپنے نکاح سے الگ کر رہے ہو تو یاد رکھو کہ یہ بہت بڑی بھول ہے، ایک اچھی بیوی میں کردار کی پختگی، اس کا کریکٹر اور اخلاق و عادات اور اعلیٰ سیرت کو دیکھنا چاہیے، بیوی میں اگر کوئی ظاہری نقص و عیب ہو، وہ صاحب جمال نہ ہو تو اس سے دل برداشتہ ہو کر طلاق دینے کی ضرورت نہیں، بلکہ حتی الامکان عفو و درگزر، تحمل و برداشت اور صبر و ضبط سے کام لیتے رہنا چاہئے اور متانت و سنجیدگی سے اس پر غور کرتے رہنا چاہیے، کیونکہ بعض اوقات بیوی حسین و جمیل نہیں ہوتی لیکن اخلاق و اطوار اور کردار میں بلند اور شوہر پرستی کے جذبہ سے سرشار ہوتی ہے، ہمہ وقت اپنے شوہر کو راحت و آرام پہونچانے اور گھر کا نظام درست کرنے نیز بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت و نگرانی میں دل و جان سے لگی رہتی ہے اگر ایسی عورت کو صرف اس کی بدصورتی کی وجہ سے طلاق دیدی جائے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی، کیا اس کی آہ سے عرشِ الٰہی کے پائے لرز نہیں اٹھیں گے، کیا اس کی بددعائیں شوہر اور اس کے گھر والوں کو خاکستر نہیں کردیں گی ؟

اس کے برخلاف بہت سی عورتیں صاحب حسن و جمال اور صاحب مال ہونے کے باوجود اخلاق، کردار، حسنِ سیرت اور گھر گرہستی کی عظیم دولت سے بالکل محروم اور اپنے حسن و جمال پر نازاں و مغرور اور صرف اپنی زیب و زینت میں مگن رہتی ہیں، نہ شوہر کے آرام و آسائش کا خیال کرتیں، نہ ہی ان کو بچوں کی تربیت اور ان کے مستقبل کی فکر۔ اور نہ ہی ان کو امور خانہ داری سے کسی قسم کا لگاؤ ہوتا ہے۔ اسی بناء پر محسنِ انسانیت نے ایک مردِ مسلم کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ اپنی شادی کرتے وقت عورت کے حسن و جمال یا اس کے مال اور خاندانی وجاہت کو پیش نظر نہ رکھے۔ بلکہ صرف عورت کی دینداری اور اس کی سیرت و اخلاق کی

بلندی کو اپنی شادی کا معیار اور اپنے حسن انتخاب کا محور قرار دے، اگر صرف عورتوں کی دینداری اور اس کی اعلیٰ سیرت کی وجہ سے ان سے شادیاں کی جائیں تو انشاءاللہ طلاق و تفریق کے واقعات ایک گونہ کم ہوجائیں گے۔

طلاق کا چوتھا اہم سبب

راقم الحروف کے خیال کے مطابق معاشرے میں طلاق کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بیاہ و شادی کے سلسلے میں شریعتِ اسلامی نے مرد و عورت کو جو اختیارات دیئے ہیں، آج ہمارا معاشرہ انہیں وہ اختیارات نہیں دے رہا ہے، مثلاً اسلام نے یہ اجازت دی ہے کہ لڑکا اگر سن بلوغ کو پہونچ چکا ہے تو وہ اپنی شریک حیات کے انتخاب اور اس کے پسند کرنے کا حق رکھتا ہے حتیٰ کہ اسے یہ بھی اجازت دی گئی کہ شادی کا پیغام دینے سے قبل عورت کو ایک نظر دیکھ لے، اس سے نکاح کا رشتہ زیادہ پائیدار رہے گا۔ (تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب "اسلام اور نکاح" کا مطالعہ کریں) ایسے ہی بالغ لڑکی کو یہ اختیار دیا کہ وہ خود اپنے رفیقِ سفر کا انتخاب کرے، اور اگر والدین کسی ناموافق و ناہنجار لڑکے سے اس کا رشتہ کرنا چاہتے ہیں تو اسے یہ حق ہے کہ وہ بلا خوف و خطر اس رشتہ کا انکار کردے۔

مگر ہمارے معاشرہ میں ہوتا یہ ہے کہ بعض نافہم والدین مال و دولت یا کسی اور چیز کی لالچ میں اپنے لڑکے کا رشتہ کسی ایسی لڑکی سے طے کر دیتے ہیں جسے لڑکا ناپسند کرتا ہے مگر اسے اندیشہ ہے کہ اگر ہم نے صاف صاف اس کا انکار کر دیا تو معاشرہ ہم پر ہنسے گا اور لوگ عار دلائیں گے [illegible]

رہتا ہے، جب دلہن اس کے گھر میں آجاتی ہے تو چونکہ اس کا دل پہلے ہی سے اس سے متنفر ہوتا ہے اس لیے آپسی محبت والفت کے بجائے بغض وعداوت اور نفرت تیز ہو جاتی ہے اور پھر وہ مرحلہ بھی آجاتا ہے کہ وہ طلاق دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اسی طرح بعض لڑکیوں کے والدین اپنی جوان سال لڑکی کا رشتہ کسی عمر رسیدہ یا غلط قسم کے لڑکے سے کر دیتے ہیں، حالانکہ لڑکی اسے ناپسند ہی نہیں کرتی، بلکہ اس سے بغض ونفرت رکھتی ہے مگر معاشرہ میں بدنامی کے سبب سے زہر کا گھونٹ پی پی کر بادل ناخواستہ نکاح کے وقت اجازت دیدیتی ہے، مگر چونکہ وہ شوہر اسے پسند نہیں ہوتا اس لیے وہ شوہر کے حقوق ادا کرنے اور امور خانہ داری کی انجام دہی میں غفلت وسستی سے کام لیتی ہے۔ اس طرح شوہر اور اس کے گھر والوں سے اس کا نبھاؤ مشکل ہو جاتا ہے اور طلاق وتفریق کی نوبت آجاتی ہے، اس لیے شریعت اسلامی نے لڑکیوں اور لڑکوں کو شادی کرتے وقت جو اختیارات دیئے ہیں ہر والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کی شادی بیاہ کے معاملات میں معاشرہ وبرادری سے قطع نظر اسلام کے احکام کی پابندی کریں، اور شریعت کے دیئے ہوئے اختیارات اپنی اولاد کو دیں، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک صحابیہ حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں، یا رسول اللہ! میرے والد نے ایک ایسے شخص سے میرا رشتہ کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے جو مجھے ناپسند ہے، کیا مجھے اس سلسلہ میں کچھ اختیار ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے کہ اپنا رشتہ اپنی پسند سے جہاں چاہو کرو،

یہ اور اس طرح کی دیگر احادیث جن میں شادی کرتے وقت کی ہدایات دی گئی ہیں وہ ہمارے سامنے ہونی چاہئیں۔ اگر اس طرح والدین اپنی اولاد کی شادیاں کریں گے تو طلاق وتفریق کے واقعات کم پیش آئیں گی۔

طلاق کا پانچواں اہم سبب

طلاق کا ایک سبب میاں بیوی کا ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی اور اس میں غفلت سے کام لینا بھی ہے بعض عورتیں اپنے شوہروں کے حقوق ادا نہیں کرتیں، ان کے آرام وسہولت کا خیال نہیں رکھتیں اور نہ ایک سلیقہ مند عورت کی طرح اپنا رہن سہن رکھتی ہیں، شوہر اس کی بداخلاقی اور بدسلیقگی اور بدنظمی پر صبر وضبط سے کام لیتا ہے مگر جب اس کا پیمانۂ صبر وتحمل لبریز ہو جاتا ہے تو وہ طلاق دینے کا قطعی فیصلہ کر لیتا ہے، اسی طرح بعض خاوند اپنی عورتوں کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت ولاپرواہی سے کام لیتا ہے، جس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ عورت کا دل اس سے اچاٹ اور اس کی طبیعت نفرت کرنے لگتی ہے اور وہ بھی اس کے ساتھ برے طریقے سے پیش آنے لگتی ہے، اور معاملہ بڑھتے بڑھتے طلاق کی نوبت آجاتی ہے، اس لیے ہر مسلمان بیوی اور خاوند کا فریضہ ہے کہ اسلام میں جو ایک دوسرے کے حقوق بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے ہر ایک مکمل طور پر ان حقوق کی ادائیگی کرے تاکہ دونوں کی زندگی پرسکون گزر سکے۔

طلاق کا چھٹا اہم سبب

طلاق کا ایک سبب ساس اور بہو کا جھگڑا ہے، شادی کے بعد جب بہو گھر

میں آتی ہے تو کچھ دن تک ساس بہو کے درمیان خوب بنتی ہے، اسی طرح نند، دیورانی سب کے درمیان بہت خوشگوار تعلقات ہوتے ہیں، لیکن رہتے سہتے دھیرے دھیرے ایک دوسرے کے مزاج کے خلاف باتیں پیدا ہو جانے پر اختلاف و جھگڑا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اس اختلاف میں دونوں ہی فریق برابر کے قصوروار ہوتے ہیں ساس چاہتی ہے کہ اس کی بہو اس انداز سے کام کرے جو ایک گھر گرہستی کا تجربہ رکھنے والی عورت کرتی ہے، یہ جذبہ برا نہیں مگر ہوتا یہ ہے کہ ساس ایک ناتجربہ کار بہو کو اپنے پیمانہ سے ناپنا شروع کر دیتی ہے، اور بسا اوقات اس کی ذراسی غلطی کو بڑھا چڑھا کر اپنے لڑکے اور دوسرے لوگوں کے سامنے پیش کرنے لگتی ہے، دوسری طرف بہو اپنے آپ کو یہ سمجھتی ہے کہ اسے پورے طور پر گھر بار سنبھالنے کی مہارت ہے، اور اسے کسی کے مشورہ کی ضرورت نہیں، بسا اوقات ساس کے صحیح اور درست مشورے اور روک ٹوک بھی اس پر گراں گزرتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہیں سے کچھ ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہونے لگتی ہے اور اختلاف کی خلیج بڑھتی جاتی ہے جس کی وجہ سے ساس اپنی بہو کو طلاق دلوانے اور الگ کروانے کے درپے ہو جاتی ہے اور اس کی ذراسی غلطی اور بھول چوک کو بڑھا چڑھا کر اپنے لڑکے کے سامنے پیش کرتی ہے جب شوہر اپنی ماں کی باتیں سنتے سنتے عاجز آجاتا ہے اور اس کی زندگی دوبھر ہونے لگتی ہے تو وہ بیوی کو طلاق دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس طرح دونوں ایک دوسرے الگ ہو جاتے ہیں۔ اس صورت حال کا مقابلہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ساس اپنی بہو کے ساتھ وہ رویہ اپنائے جو چھوٹوں کے ساتھ اپنانا چاہیے۔ اور ہر حال میں اپنے بڑے ہونے کا لحاظ رکھے، اپنی بیٹی کی طرح اس کی غلطیوں کو نظر انداز کرتی رہے اور بہو کو اپنی ساس کے معاملہ میں ان حقوق کا خیال رکھنا

چاہیے جو چھوٹے ہونے کی حیثیت سے بہو پر ساس کے تئیں واجب ہیں ۔ انہیں وہ اپنی ماں کی طرح واجب الاحترام سمجھے اور ان کی خدمت اور حکم بجا آوری میں حتی الامکان سستی نہ کرے ، اگر ایسا ساس اور بہو دونوں کرنے لگیں تو پچاس فیصد طلاق کے واقعات کم ہو جائیں گے ۔

طلاق کا ساتواں اہم سبب

طلاق کا ایک سبب آپس کی بدگمانی بھی ہے یہ ایک ایسا مرض ہے جس کے نتیجے میں معاشرہ کے اندر بہت سی برائیاں جنم لیتی ہیں ، اس لیے شریعت نے ہر مسلمان کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے بدگمانی نہ کرے ، میاں بیوی پر یہ اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ حسن ظن رکھے اور ایک دوسرے پر بدگمانی نہ کرے اس بدگمانی کے سبب خواہ مخواہ خاوند اپنی بیوی کو گناہ میں ملوث سمجھ کر طلاق دیدیتا ہے ، حالانکہ وہ عورت اس سے پاک ہوتی ہے ۔ کسی پاک دامن عورت پر تہمت لگانا شریعت کی نظر میں نہایت ناپسندیدہ اور غضب خداوندی کا سبب ہے پھر اس بدگمانی کے نتیجے میں پاک دامن عورت کو طلاق دیدینا اس سے بھی برا ہے ۔ اسی طرح بعض عورتیں خواہ مخواہ اپنے شوہروں سے بدگمانی کرنے لگتی ہیں ، اور شوہر عاجز آکر انہیں طلاق دے دیتا ہے ، اس لیے عورتوں کو بھی اس سے بچنا چاہیے ۔

ایک اہم انتباہ

طلاق دینے کے عموماً یہ سات اسباب ہوتے ہیں اور انہیں کی وجہ سے طلاق و تفریق کے واقعات روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں ۔ ایسی صورت حال میں ایک اسلامی معاشرہ کا فرض ہے کہ ان اسباب کے ازالہ کی کوشش

کر کے طلاق کے واقعات ختم کرانے کے لیے کمربستہ ہوجائے اور اصلاحی تحریکیں چلاکر ان کا سدباب کیا جائے اگر آج معاشرہ کے افراد بیدار نہیں ہوئے تو طلاق کی کثرت کے تباہ کن مفاسد اور برے اثرات اپنے تعفن سے پورے معاشرہ کو گندہ کردیں گے، نوجوانان اسلام طلاق کی روک تھام کے لیے اگر میدان عمل میں اتر آئیں۔ تو انشاء اللہ ہمارا معاشرہ اس طرح کی گندگیوں سے پاک ہوجائے گا۔

طلاق کا اختیار شوہر کو کیوں دیا گیا ؟

مخالفین اسلام کی طرف سے یہ اعتراض بڑے زور و شور سے اٹھایا جاتا ہے کہ مذہب اسلام نے مرد و عورت کو برابر کے حقوق نہیں دیئے، طلاق کا حق و اختیار مرد کو دیکر عورت کو اس کے ماتحت اور زیر دست رہنے پر مجبور کر دیا، جو عقل و فطرت انسانی کے خلاف ہے، مگر کوتاہ فہموں کا یہ اعتراض نہایت ہی نامعقول بلکہ مضحکہ خیز ہے۔

دنیا کے مفکرین و عقلاء اس بات پر متفق ہیں کہ عورت مرد کے مقابلہ میں کم عقل، ناقص الفہم اور جذبات سے لبریز ہے۔ اس کی فطرت مردوں کے مقابلہ میں کمزور بنائی گئی ہے، معمولی معمولی باتوں پر اس کا متاثر ہوجانا، جذبات میں آجانا، اور دوراندیشی سے ہٹ کر اپنے حق میں غلط فیصلہ کرلینا ہر صاحب عقل پر عیاں ہے ان باتوں کا خیال رکھتے ہوئے، مذہب اسلام نے طلاق جیسی اہم چیز کا حق و اختیار مرد کے ہاتھوں میں دیا، تاکہ اگر خدانخواستہ کبھی دونوں کے درمیان فساد و بگاڑ پیدا ہوجائے اور طلاق و تفریق کے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہ رہ جائے تو وہ اپنے اس حق طلاق کو استعمال کرکے اپنے لیے صحیح راہ متعین کرلے، نیز مرد کو اسلام نے

طلاق کے سلسلہ میں شتر بے مہار کی طرح بے لگام نہیں چھوڑا کہ جب وہ چاہے اسے استعمال کر کے عورت کی زندگی کے ساتھ کھلواڑ کرنے لگے، بلکہ اسے ہدایات دیں، اور بلا ضرورت اس کے استعمال کو نہایت ناپسندیدہ امر قرار دیا، نیز عورتوں کو بھی اس حق تفریق سے کلیۃً محروم نہیں رکھا کہ وہ ناترس و ناہنجار شوہروں کے ہاتھوں گیند بنتی رہیں، انہیں خلع و فسخ کرانے کا حق دیا تاکہ اگر ان کا شوہر ان پر ظلم و زیادتی کریں تو وہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہو کر استغاثہ کر سکیں، اگر طلاق کا حق عورتوں کو دیدیا جائے تو اس کی زود رنجی اور جذباتیت کی وجہ سے جیسا کہ یورپ میں اس کا تجربہ ہو رہا ہے، طلاق کی کثرت ہو جائے گی۔

اور چوں کہ خود خالق فطرت نے مرد کو عورت پر برتری اور فوقیت و فضیلت بخشی ہے اور اس کو عورت پر منصب حکومت دیئے جانے کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ عورت کی مالی کفالت کرتا ہے، اور اس کا ذمہ دار بنتا ہے جو مرد ہی کا کام ہے عورت سے نہیں بن سکتا ارشاد خداوندی ہے:

وَبِمَا اَنْفَقُوا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (۱)	اور اس سبب سے بھی (مرد عورتوں پر حاکم ہیں) کہ مرد نے ان پر اپنے مال خرچ کیے ہیں۔

تو گویا کہ جب مرد کسی عورت کو اپنے نکاح میں قبول کر کے اس کے تمام اخراجات و مصارف کا کفیل ہو جاتا ہے۔ تو مالک مرد ہی ہوا، نہ کہ عورت۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (۲)	یا وہ (خاوند) رعایت کرے (اور پورا ہی مہر دے) جس کے ہاتھ میں نکاح کا عقد ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نکاح پر قابض اور اس کا مالک قرآن کے

---

(۱) النساء، آیت۔ ۳۴۔ (۲) بقرۃ، آیت۔ ۲۳۷۔

نزدیک مرد ہے نہ کہ عورت اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے عموماً ہر جگہ فعلِ نکاح کی نسبت مرد ہی کی طرف فرمائی اور اسی کو نکاح کنندہ کہا ہے، لہذا زوجین میں سے شوہر ہی اصل میں اس بات کا حقدار ہے کہ اس کے ہاتھ میں طلاق کی لگام رکھی جائے۔

قرآن نے طلاق کے فعل کو ہر جگہ مرد ہی کی طرف منسوب کیا ہے

اسی لیے قرآن نے طلاق دینے کی نسبت مرد ہی کی طرف کی ہے عورت کو صرف طلاق پانے والی ہی فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۞ (۱)	اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر ان کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں معروف کے مطابق روکے رکھو،
لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً (۲)	تم پر کچھ مواخذہ نہیں اگر بیویوں کو ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لیے کچھ مہر مقرر کیا ہے۔
وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ (۳)	اور اگر تم طلاق دو انہیں ہاتھ لگانے سے پیشتر۔ الخ

اس طرح کی بہت سی آیات ہیں، جن میں طلاق دینے کی نسبت صرف مرد کی طرف کی گئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قبولِ نکاح کا مالک مرد ہے اور وہی نکاح کی بنیاد ہے۔

---

(۱) البقرۃ آیت ۲۳۱ (۲) البقرۃ پ۲ آیت ۲۳۶ (۳) البقرۃ آیت ۲۳۷

تورد قبول جس کا نام طلاق ہے اس کا مالک بھی مرد ہی ہو گا اور یہی صراحت قرآنی اور ارشاد ربانی ہے :

معاشرہ اور طلاق

اور اگر معاشرہ اور رہن سہن کے لحاظ سے بھی دیکھا جائے تب بھی حق طلاق عورت پر کسی طرح منطبق نہیں ہو سکتا، اور اگر زبردستی منطبق کر دیا جائے، تو طرح طرح کے مفاسد کا ایک مستقل پیش خیمہ ثابت ہو گا، وجہ یہ ہے کہ عورت کی جنس کا ناقص العقل اور ناقص الدین ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کی شریعت نے خود خبر دی ہے، اور ظاہر ہے کہ نقصان عقل کا اثر فکر و نظر کی کوتاہی، ذہنی تنگی اور تذبذب کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا، اور نقصان دین کا اثر جذباتیت، بے صبری، عدم تحمل اور از خود رفتگی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا (چنانچہ مشاہدہ ہے کہ زن و شوہر میں اگر تنازعہ ہوتا ہے تو مرد تو دلیلیں اور حجتیں پیش کر کے اپنے کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور عورت اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر وہی مرغ کی ایک ٹانگ ہانکتی رہتی ہے، چنانچہ قرآن کریم نے مشرکین عرب کے اس عقیدے کا ذکر کرتے ہوئے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، عورت کی ان ہی دو کوتاہیوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ :

اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ○ (۱)	کیا جو آرائش میں نشو و نما پائے اور بحث میں (بوجہ ضعف رائے و عقل) قوت بیانیہ بھی نہ رکھے (وہ بھلا اللہ کی بیٹیاں ہو سکتی ہیں، جب کہ اس کی ذات اہل و اولاد سے منزہ ہے)

(۱) الزخرف - ۱۸ -

اس آیت میں عورت کا سونا چاندی اور زیورات کی جھنکار میں پرورش پانا اور ہمہ وقت اپنی ظاہری زیبائش و آرائش میں محو رہنا اشارہ ہے، باطنی خوبیوں سے خالی رہ کر جذبات پسندی، اخلاقی کوتاہی اور حرص و ہوس میں غرق رہنے کی طرف جو نقصان دین ہے اور حجت و دلیل یا قوت بیانیہ سے عاجز رہ کر بے حجت و دلیل وہی مرغے کی ایک ٹانگ ہانکے جانا اشارہ ہے۔ نقصان عقل کی طرف حدیث کے اندر بھی عورتوں کو ناقص العقل اور ناقص الدین قرار دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان حالات میں کہ نہ عقل ٹھکانے نہ دین ہی مکمل، اگر کہیں ان عورتوں کو حق طلاق میں شریک کر دیا جاتا تو یہ اپنی کم حوصلگی، بے برداشتگی اور بے عقلی وکوتاہ فہمی سے ذرا ذرا سی باتوں میں آپے سے باہر ہو کر ہر مہینہ مردوں کو طلاقیں دے دے کر نئی نئی شادیاں کیا کرتیں، اور ہر روز اپنا سہاگ رچاتیں اور روزانہ نہ جانے کتنے گھر برباد و ویران ہوا کرتے، مرد تو کہیں برسوں میں کسی بہت ہی انتہائی نازک بات پر طلاق دینے کا ارادہ کرتا ہے اور وہ بھی ہزاروں میں کوئی ایک اور ان میں بھی زیادہ تر جاہل و ان پڑھ طبقہ ورنہ زیادہ تر تو عورتوں کی بدتمیزیوں پر صبر و تحمل ہی کرتے دیکھے گئے ہیں، اس لیے رہن سہن اور معاشرتی زندگی کے لحاظ سے بھی تقاضائے فطرت و عقل یہی تھا کہ مردوں ہی کو حق طلاق دیا جائے اور عورتوں سے حق طلاق کا کوئی متعلق نہ رکھا جائے۔

کیا عورت طلاق واقع کر سکتی ہے

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات بالکل صاف اور واضح ہو گئی کہ طلاق کا حق صرف مرد ہی کو دیا گیا ہے، عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے اوپر طلاق واقع

کرے۔ لیکن اگر میاں بیوی کے درمیان بگاڑ اور کشیدگی پیدا ہو جائے اور شوہر کے حالات سے ناامیدی ہو کہ وہ نہ طلاق دے گا اور نہ اس کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرے گا اور اس کی طرف سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ بیوی کو اپنے گھر لے جا کر اس پر ظلم وستم کا پہاڑ توڑے گا، اور اس پر بے جا زیادتی کرے گا، تو ایسے شوہر سے چھٹکارا اور نجات حاصل کرنے کا طریقہ شریعت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر عورت شوہر سے کسی طرح نکاح ہو جانے کے بعد طلاق کا حق لے لے یعنی شوہر یہ کہہ دے یا معاہدہ کر دے کہ اگر میں نے بیوی کو ساتھ لے جانے کے بعد اس پر ظلم وزیادتی کیا یا اس کے واجب حقوق ادا نہ کیے تو ایسی صورت میں اس کو حق ہے کہ وہ اپنے اوپر طلاق واقع کرلے تو اس قول وقرار اور معاہدہ کے بعد عورت کو یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ جب بھی اس کا شوہر معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا، اسی وقت عورت کو طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہو جائے گا اور جس قدر طلاق دینے کا حق شوہر بیوی کو دے گا، اسی قدر وہ اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی از روئے شرع مجاز ہوگی۔ اس طرح عورت کو حق طلاق سپرد کرنے کو فقہاء کی اصطلاح میں "تفویض طلاق" کہا جاتا ہے۔[1]

طلاق کی کچھ آسان صورتیں

میاں بیوی میں اگر نباہ اور نبھاؤ نہ ہو سکے اور تمام مصالحت اور افہام وتفہیم کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں تو ایسے نازک ترین وقت میں مذہب اسلام نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ اپنی راہ تلاش کرنے اور رشتہ ازدواج منقطع کر دینے

(1) ردالمحتار ص۳، ص۳۱۴ تا ص۳۲۳۔ البحر الرائق ج۳/ ص۳۱۰

کا حکم دیا ہے، لیکن اگر کوئی شوہر بیوی کے حقوق وواجبات کی طرف سے لاپرواہ ہو، بیوی کے ساتھ حسن سلوک اور حسنِ معاشرت سے پیش نہ آتا ہو اس کے جائز مطالبات وضروریات کی تکمیل نہ کرتا ہو اور نہ اسے طلاق دینے پر آمادہ ہو تو ایسی مظلوم عورت کے لیے شریعت میں یہ حکم ہے کہ اوّل وہ عورت اپنے دین مہر وغیرہ کے بدلہ طلاق کی کوشش کرے، جسے فقہ کی اصطلاح میں "خلع" کہا جاتا ہے، لیکن اگر اس میں کامیابی نہ ہو اور شوہر کسی بھی طرح طلاق دینے پر راضی نہ ہو اور عورت کے لیے اپنی عصمت وعفت کی حفاظت مشکل ہو جائے تو پھر شرعاً اس عورت کو یہ حق حاصل یہ ہے کہ اپنا معاملہ قاضی شریعت کی عدالت (دار القضاء) میں پیش کرکے اپنے لیے حکم شرعی حاصل کرے اور جب دار القضا، قانون شریعت اور شرعی ضابطہ کے تحت کاروائی مکمل کرنے کے بعد اس عورت کا نکاح شوہر سے فسخ کردے تو اس کے بعد عورت کو عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق شرعاً حاصل ہو جائے گا۔[1]

غیر عربی لفظوں سے طلاق دینے کا حکم

شریعتِ اسلامی کا اصول یہ ہے کہ جو امور ذکر سے متعلق ہیں ان میں الفاظ ومعانی دونوں ہی مقصود ومطلوب ہوتے ہیں، مثلاً قرآن شریف، نماز وغیرہ جس میں تلاوتِ قرآن اور بعض اذکار واجب ہیں، اگر ان میں اس کی بجائے اس کا ترجمہ پڑھ دیا جائے تو صحیح تر قول کے مطابق درست نہ ہوگا، لیکن عام گفتگو

---

(۱) اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے الحیلۃ الناجزۃ مؤلفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور کتاب الفسخ والتفریق مؤلفہ حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت، بہار واڑیسہ کا مطالعہ کریں۔

اور معاملات میں عربی ہی کے الفاظ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، جیسے خریدنا، بیچنا، ہبہ کرنا وغیرہ۔

نکاح وطلاق بھی انہیں معاملات میں ہے، وہ تمام الفاظ جن سے کسی بھی زبان میں نکاح وطلاق کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے، نکاح ہو جانے اور طلاق واقع ہونے کے لیے کافی ہوں گے: طلاق کے لیے کسی دوسری زبان کا ایسا لفظ استعمال کیا جائے جو خاص طلاق ہی کے مفہوم کو ادا کرتا ہو اور اس کو بولنے کے بعد کسی اور طرف ذہن جاتا ہی نہ ہو تو اگر ایسا لفظ ایک بار یا دو بار استعمال کیا جائے تو اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی یعنی اس طلاق کے بعد دوران عدت بیوی کو لوٹا لینے کا حق باقی رہے گا۔ اور اگر ایسے غیر عربی لفظ سے طلاق دی ہے جو متعدد مفہوم کا احتمال رکھتا ہے اور بولنے والے کی نیت طلاق کی ہو تو اس سے طلاق بائن واقع ہوگی۔ اور اگر لفظ تو ایسے ہی ہوں جس کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں لیکن طلاق کے مفہوم میں اس کا اتنا غالب استعمال ہونے لگا ہو کہ فوراً ذہن اسی طرف جائے تو طلاق تو اس سے بلا نیت واقع ہوگی، لیکن ہوگی طلاق بائن، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے لفظ حرام کے ذریعہ بلا نیت طلاق بائن واقع قرار دی ہے۔[1]

نشہ آور دواؤں کے استعمال کے بعد طلاق

اگر کسی شخص نے یہ جانے بغیر کسی نشہ آور شی کا استعمال کر لیا اور وہ نشہ آور شے یا دوا ایسی تھی جس سے نشہ پیدا ہو گیا، یہ ہوش وحواس کھو بیٹھا اور اسی حالت

---

[1] رد المحتار ۔۔۔ جلد ۲ ص ۔۔۔

میں طلاق دے دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

شیخ عبدالرشید بخاری (متوفی ۵۴۲ھ) لکھتے ہیں :

ذکر عبد العزیز الترمذی قال سئلت اباحنیفة وسفیان عن رجل شرب البنج فارتفع الی رأسه فطلق امرأته قال إن کان حین یشرب یعلم انه ماهی فهی طالق وان لم یعلم لم تطلق ولو ذهب عقله من دوا ءٍ لا تطلق ۔ (۱)

عبد العزیز ترمذی نے ذکر کیا کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے اور سفیان سے بھنگ پینے والے کے بارے میں دریافت کیا جس کے دماغ تک اس کا اثر پہنچ جائے اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے، ان حضرات نے جواب دیا کہ اس نے یہ جاننے کے باوجود کہ وہ کیا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس سے واقف ہی نہ تھا تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر کسی دوا کی وجہ سے عقل چلی گئی تو بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔

اسی سے ان دواؤں کے بعد نشہ کی حالت میں طلاق دینے کا حکم معلوم ہوگیا جن میں الکحل ہو۔

طلاق بذریعہ ٹیلیفون یا ٹیلی گرام

طلاق کے لیے بیوی کی موجودگی ضروری نہیں، وہ جس وقت اور جہاں بھی بیوی کی طرف نسبت کر کے طلاق کے الفاظ کہدے یا لکھ دے، طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لیے اگر کوئی شخص ٹیلیفون سے یا تار کی وساطت سے اپنی بیوی کو طلاق دیدے، تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی، البتہ محض فون کی آواز یا ٹیلی گرام کی تحریر اس کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، اس لیے کہ دو آوازوں میں کافی

---

(۱) خلاصة الفتاوی، ج ۲، ص ۵۱ ۔ جدید فقہی مسائل (مؤلفہ مولانا خالد سیف اللہ) ج ۱، ص ۱۸۱

مماثلت اور یکسانیت پائی جاتی ہے، تار میں تو خود اس شخص کی تحریر بھی نہیں ہوتی بلکہ ایک تیسرے ہی شخص کی تحریر ہوتی ہے اور اس کا کوئی یقین بھی نہیں ہوتا کہ جس کی طرف یہ تحریر منسوب ہے واقعی اس کے حکم سے لکھی گئی ہے نہ محکمۂ پوسٹ و ٹیلی گراف اس کی تحقیق ہی کرتا ہے کہ جو شخص یہ ٹیلی گرام کر رہا ہے کیا واقعی اس کا وہی نام ہے؟ اس لیے محض ٹیلی گرام یا فون سے طلاق ثابت نہیں ہو سکتی۔ اگر شوہر کو انکار ہو کہ اس نے فون نہیں کیا تھا۔ یا تار نہیں دیا تھا تو اب طلاق واقع نہیں ہوگی، عورت کے لیے جائز ہوگا کہ وہ اپنا نفس مرد کے حوالے کر دے، مرد اگر جھوٹ بول رہا ہے تو عنداللہ سخت گناہ گار ہوگا اور عمر بھر زانی قرار پائے گا ______ ہاں اگر مرد کو خود ہی اقرار ہو یا دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں موجود ہوں جو اس بات کی شہادت دیں کہ انہوں نے خود مرد کو فون کرتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے یا ٹیلی گرام کراتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے تو اب شرعی اصول کے مطابق طلاق ثابت ہو جائے گی"[1]۔

طلاق کے بعد شوہر منکر ہو گیا

اگر عورت نے شوہر کو طلاق دیتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا، یا اسے دو معتبر مرد یا ایک معتبر مرد اور دو عورتوں نے یہ اطلاع دی کہ ان کے سامنے اس کے شوہر نے اسے تین طلاق دیدی ہے مگر شوہر طلاق دینے سے انکار کر رہا ہے۔ تو ایسی صورت میں فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق مذکورہ عورت اس

---

(۱) جدید فقہی مسائل، ج ۱، ص ۱۹۱۔

معاملہ میں بمنزلۂ قاضی ہے اس کے لیے جائز وحلال نہیں ہے کہ اپنے اس خاوند کو اپنے نفس پر قابو دے بلکہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے اپنے مہر اور مال کے ذریعہ اس سے خلع حاصل کرلے، یا اس سے راہ فرار اختیار کرکے اپنی عفت وعصمت کی انمول دولت کو بچائے، مفتی بہ قول کے مطابق عورت کے لیے اس شخص کا قتل کرنا جائز نہیں ہوگا. صاحب بزازیہ نے اُوزجبندی سے نقل کرکے لکھا ہے کہ وہ اپنا معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش کرے پھر اگر شوہر طلاق نہ دینے پر قسم کھالے، اور عورت کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو اور قاضی شوہر کے حق میں فیصلہ کردے تو اس کے ساتھ رہنے کی صورت میں عورت گنہ گار نہیں ہوگی بلکہ سارا گناہ شوہر پر ہوگا، مگر علامہ شامی کا خیال یہ ہے کہ ایسا کرنا اس وقت عورت کے لیے جائز ہوگا جب وہ مال دیکر یا اس سے بھاگ کر اپنے نفس سے اسے نہ روک سکے"[1]

تحریری طلاق کا حکم

طلاق واقع ہونے کے لیے زبان سے طلاق دینا ضروری نہیں ہے بلکہ بذریعہ تحریر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، مگر تحریر کے ذریعہ طلاق اس وقت معتبر ہوگی جب کہ عورت وہاں پر موجود نہ ہو، فتاویٰ ہندیہ کے اندر ہے کہ تحریر کی دو قسمیں ہیں، مرسومہ اور غیر مرسومہ، مرسومہ سے مراد یہ ہے کہ اس طرح لکھا جائے، جس طرح غائب شخص کے پاس لکھا جاتا ہے اور غیر مرسومہ وہ ہے جو اس طرح نہ لکھا جائے

---

(۱) والمرأة کالقاضی إذا سمعته او اخبرها عدل لا یحل لها تمکینه، ردالمحتار: ج۳ ص۲۵۱۔

یعنی وہ نہ تو مصدر ہو اور نہ معنون ہو، پھر غیر مرسومہ کی دو قسمیں ہیں، مستبینہ اور غیر مستبینہ فقہاء کی اصطلاح میں مستبینہ وہ تحریر ہے جو کاغذ، دیوار اور زمین پر اس طرح لکھی جائے، جس کا سمجھنا اور پڑھنا ممکن ہو اور غیر مستبینہ وہ تحریر ہے جو ہوا، پانی یا کسی ایسی چیز پر لکھی جائے جس کا پڑھنا اور سمجھنا ممکن نہ ہو تو وہ تحریر جو غیر مستبینہ ہو جس کا پڑھنا ممکن ہی نہیں ہو اس سے طلاق واقع ہی نہ ہوگی، اگرچہ اس سے شوہر کی نیت طلاق دینے کی ہو اور اگر وہ تحریر مستبینہ ہو مگر غیر مرسومہ ہو تو اس سے اگر شوہر کی نیت طلاق کی ہوگی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں، اور اگر وہ تحریر مرسومہ ہو تو اس سے بلانیت طلاق واقع ہو جائے گی، پھر اگر مرسومہ کے اندر اس نے طلاق لکھ کر عورت کے پاس بھیجدیا، مثلاً خط میں لکھا، اَمَّا بَعْدُ، فَاَنْتِ طَالِقٌ۔ کہ تجھے طلاق ہے تو جیسے ہی اس نے اَنْتِ طَالِقٌ۔ کا جملہ لکھا اسی وقت اس کی بیوی پر طلاق ہوگئی اور اسی وقت سے عورت پر عدت گزارنی لازم ہوگی، اور اگر اس نے طلاق کو اپنے خط پہونچنے پر معلق رکھا مثلاً لکھا: اِذَا جَاءَ کِتَابِیْ هٰذَا فَاَنْتِ طَالِقٌ۔ کہ جب میرا یہ خط تمہارے پاس پہونچ جائے تو تجھ پر طلاق، تو جب تک وہ خط عورت کے پاس نہیں پہونچے گا اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوگی اور جب خط عورت کو مل جائے گا، تو چاہے وہ اسے پڑھے یا نہ پڑھے طلاق واقع ہو جائے گی[1]

بدلے ہوئے الفاظ سے طلاق

اگر غلط تلفظ کے ساتھ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس سے

---

[1] فتاویٰ ہندیہ المعروف بالعالمگیری ج ۱ ص ۳۷۸ ۔ رد المحتار المعروف بالشامی ج ۲ ص ۴۲۶

بھی طلاق واقع ہو جائے گی، صاحب بحر الرائق اور صاحب درمختار نے ایسے پانچ الفاظ ذکر کیے ہیں۔

"طلاغ، تلاغ، طلاک، تلاک اور "ط ل ق" اور علامہ شامی نے لفظ تلاق کا اضافہ کیا ہے۔ ان کے استعمال کرتے وقت شوہر کے لیے ان کا معنیٰ جاننا ضروری نہیں ہے۔[1] اگر کسی شخص نے ان میں سے کسی بھی لفظ کو اپنی عورت کی طرف منسوب کر کے استعمال کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور جس قدر استعمال کرے گا، اتنی ہی طلاق واقع ہوگی، ظاہر ہے کہ ان پڑھ لوگ لفظ "طلاق" کے صحیح تلفظ پر قدرت نہیں رکھتے ہیں تو اگر لفظ طلاق کے صحیح تلفظ کو ضروری قرار دیا جاتا تو ایسے لوگ پریشانی میں مبتلا ہو جاتے۔

صاحب البحر الرائق نے ذکر کیا ہے کہ الفاظ تہجی سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی، مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے کہا "اَنْتِ ط ل ق" کہ تو ط ل ق ہے تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔[2]

اپنے خاوند سے طلاق یا خلع چاہنے والی عورت کے حق میں وعید

اس سے قبل بھی ایک روایت گزر چکی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس عورت نے بلا ضرورت اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کیا تو قیامت کے دن اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی، ایک دوسری حدیث میں ایسی عورتوں کو منافق کہا گیا ہے:

---

(۱) درمختار علیٰ ھامش رد المحتار، ص ۲۴۹ ج ۲۔ (۲) ردالمحتار، ص ۲۴۹ ج ۲۔

حضرت ابو ہریرۃ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ :

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ ۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے خاوند کی نافرمانی کرنے والی اور اپنے خاوند سے خلع چاہنے والی عورتیں منافق ہیں۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو عورتیں بلا سبب اپنے شوہروں سے طلاق مانگتی ہیں یا ان سے مال و مہر کے ذریعہ خلع چاہتی ہیں وہ منافق ہیں "منافق" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ظاہر میں تو احکامِ اسلام کی مطیع و فرمانبردار ہیں مگر باطنی طور پر گنہ گار اور عاصی ہیں۔

مطلقہ عورتوں کو دوسری شادی سے روکنا سخت گناہ

ہمارے معاشرہ میں ایک برائی یہ بھی ہے کہ اگر کسی عورت کو طلاق ہو جاتی ہے اور دوبارہ وہ اپنے سابق شوہر یا کسی دوسرے سے اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے تو اس کے اولیاء اور گھر کے افراد اسے اس سے روکتے ہیں، اور اگر خدانخواستہ اس غریب عورت نے گھر والوں کی بات کاٹ کر اپنا نکاح کرا لیا تو گاؤں کے لوگ اس کا ہنسی مذاق اڑاتے ہیں، اور اسے حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں شریعت اسلامی کا حکم یہ ہے کہ اگر سابق شوہر نے اسے طلاق بائن دی ہے تو نکاح کر کے اس کے ساتھ رہ سکتی ہے اور اگر طلاقِ مغلظہ دی ہے تو حلالہ کے ذریعہ اس کے پاس لوٹ سکتی ہے اور دونوں صورتوں

---

(۱) مشکوٰۃ ص۲۸۳ کتاب الطلاق۔

میں اجنبی شخص سے اس کے لیے اپنا نکاح کرنا جائز ہے۔ اس کے اولیاء کو اس سے روکنے کا حق اور اختیار نہیں ہے اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ شوہر کے پاس رہ چکنے کے بعد تنہا زندگی گزارنا سخت دشوار اور مشکل ہوتا ہے، اس لیے ایسی عورتوں کو دوسری شادی سے روکنا فطرتِ انسانی کے بھی خلاف ہے، ایسی مطلقہ عورتوں کے اولیاء، اور سرپرستوں کو حکم دیتے ہوئے قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ (۱)

اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو اب نہ روکو ان کو اس سے کہ نکاح کر لیں اپنے انہی خاوندوں سے جب کہ راضی ہو جائیں آپس میں موافق دستور کے یہ نصیحت اسکو کی جاتی ہے جو کہ تم میں سے ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اس میں تمہارے واسطے بڑی ستھرائی ہے اور بہت پاکیزگی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں: "یعنی مت روکو مطلقہ عورتوں کو اس بات سے کہ وہ اپنے تجویز کیے ہوئے شوہروں سے نکاح کریں" خواہ پہلے ہی شوہر ہوں جنہوں نے طلاق دی تھی، یا دوسرے لوگ، مگر اس کے ساتھ ہی یہ شرط لگادی گئی، إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ، یعنی جب دونوں مرد و عورت شرعی قاعدہ کے مطابق رضامند ہو جائیں تو نکاح سے نہ روکو، جس میں اشارہ فرمایا گیا کہ اگر ان دونوں کی رضامندی نہ ہو کوئی کسی پر زور زبردستی کرنا چاہے تو

---

(۱) سورۃ بقرۃ آیت ۲۳۲۔

سب کو روکنے کا حق ہے یا رضامندی بھی ہو مگر شرعی قاعدہ کے موافق نہ ہو، مثلاً بلا نکاح آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنے پر رضامند ہو جائیں یا تین طلاقوں کے بعد ناجائز طور پر آپس میں نکاح کر لیں، یا ایام عدت میں دوسرے شوہر سے نکاح کا ارادہ ہو تو ہر مسلمان کو بالخصوص ان لوگوں کو جن کا ان مرد و عورت کے ساتھ تعلق ہے روکنے کا حق حاصل ہے بلکہ بقدر استطاعت روکنا واجب ہے۔ اور "ذٰلِکُمْ اَزْکٰی لَکُمْ وَاَطْهَرُ" کے تحت لکھتے ہیں اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ ان کی خلاف ورزی کا نتیجہ گناہوں کی غلاظت میں آلودگی اور فتنہ و فساد ہے کیوں کہ عاقلہ بالغہ جوان لڑکیوں کو مطلقاً نکاح سے روکا گیا تو ایک طرف ان پر ظلم اور ان کی حق تلفی ہے اور دوسری طرف ان کی عفت و عصمت کو خطرہ میں ڈالنا ہے تیسرے اگر خدانخواستہ وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوں تو اس کا وبال ان لوگوں پر بھی عائد ہوگا جنہوں نے ان کو نکاح سے روکا اور وبالِ آخرت سے پہلے بہت ممکن ہے کہ ان مجبور عورتوں کا یہ ابتلاء خود مردوں میں جنگ و جدال اور قتل و قتال تک نوبت پہنچا دے، جیسا کہ رات دن مشاہدہ میں آتا ہے، اس صورت میں وبالِ آخرت سے پہلے ان کا عمل دنیا ہی میں وبال بن جائے گا۔ اور اگر مطلقاً نکاح سے تو نہ روکا، مگر ان کی پسند کے خلاف دوسرے شخص سے نکاح پر مجبور کیا گیا تو اس کا نتیجہ بھی دائمی مخالفت اور فتنہ و فساد یا طلاق و خلع ہوگا، جس کے ناگوار اثرات ظاہر ہیں۔ اس لیے فرمایا گیا کہ ان کو ان کے تجویز کیے ہوئے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکنا ہی تمہارے لیے پاکی اور صفائی کا ذریعہ ہے"(۱)

اس آیتِ کریمہ میں اس ناروا ظالمانہ سلوک کا انسداد کیا گیا ہے جو عام طور پر مطلقہ عورتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ ان کو دوسری شادی کرنے سے روکا جاتا ہے

---

(۱) معارف القرآن ج ۱، ص ۴۴۵ تا ۵۵۰۔ مطبوعہ مصطفائیہ دیوبند۔

پہلا شوہر بھی عموماً اپنی مطلقہ بیوی کو دوسرے شخص کے نکاح میں جانے سے روکتا اور اس کو اپنی حیثیت اور عزت کے خلاف سمجھتا ہے اور بعض خاندانوں میں لڑکی کے اولیاء اور سرپرست حضرات بھی اس کو دوسری شادی کرنے سے روکتے ہیں، آزاد و بالغ عورتوں کو اپنی مرضی کی شادی سے بلاعذرِ شرعی روکنا خواہ پہلے شوہر کی طرف سے ہو یا لڑکی کے اولیاء کی طرف سے بڑا ظلم اور اس کی حق تلفی ہے، اس ظلم کا انسداد اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے۔

☆ اس آیت کا شان نزول بھی اسی طرح کا ایک واقعہ ہے، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت معقل بن یسارؓ نے اپنی بہن کی شادی ایک شخص کے ساتھ کردی تھی اس نے ان کی بہن کو طلاق دیدی اور عدت بھی گزر گئی، اس کے بعد وہ شخص اپنے فعل پر نادم اور پشیمان ہوا، اور چاہا کہ دوبارہ نکاح کرلیں، اس کی بیوی یعنی حضرتِ معقل بن یسارؓ کی بہن بھی اس پر آمادہ ہوگئی، لیکن جب اس شخص نے حضرت معقل سے اس کا تذکرہ کیا تو ان کو طلاق دیئے جانے پر غصہ تھا، انہوں نے کہا کہ میں نے تمہارا اعزاز واکرام کیا، اپنی بہن تمہارے نکاح میں دیدی، تم نے اس کی یہ قدر کی کہ اس کو طلاق دیدی اب پھر تم میرے پاس آرہے ہو کہ دوبارہ نکاح کروں، خدا کی قسم! اب وہ تمہارے نکاح میں نہ لوٹے گی"[1]۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرتِ جابرؓ بن عبداللہ کی چچازاد بہن کا پیش آیا تھا، ان واقعات پر آیت مذکورہ نازل ہوئی، جس میں حضرت معقلؓ اور جابرؓ کے اس رویہ کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا۔

---

[1] بحوالہ معارف القرآن ج ۱، ص ۵۷۵۔

صحابۂ کرام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے شیدائی اور عاشق تھے، آیتِ پاک کے سنتے ہی معقل بن یسارؓ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، اور خود جا کر اس شخص سے بہن کا دوبارہ نکاح کر دیا، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا، اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ نے بھی حکمِ خداوندی کی تعمیل کی۔ اور اب مسلمانوں کا بھی یہی فریضہ ہے کہ وہ طلاق دی ہوئی عورتوں کو ان کے تجویز کیے ہوئے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکیں، اسی میں ان عورتوں کی بھلائی ہے اور خود ان کے اولیاء اور سرپرست حضرات کے حق میں بھی خیر و بہتری کا باعث ہے اور اس کے خلاف کرنے میں دونوں کے لیے ضرر اور کلفت و مشقت ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں حکمِ خداوندی کی بھی خلاف ورزی اور حکم عدولی ہے جس کا وبال ظاہر ہے۔

رخصتی سے پہلے بیوی کو طلاق دینا

ابھی عورت اپنے خاوند کے پاس نہ جانے پائی تھی کہ اس نے طلاق دیدی یا رخصتی تو ہو گئی مگر ابھی میاں بیوی میں ویسی تنہائی نہیں ہونے پائی جو شریعت میں معتبر ہے اور اس تنہائی دیکجائی سے پہلے ہی طلاق دیدی تو دونوں صورتوں میں اس پر طلاق بائن پڑ جائے گی چاہے اسے صریح لفظوں میں دی ہو، یا کنائی گول مول لفظوں میں، ایسی عورتوں کو جب طلاق دی جاتی ہے تو اسے طلاق بائن ہی پڑتی ہے، اور ایسی عورت کے لیے طلاق کی عدت بھی کچھ نہیں ہے۔ طلاق ملنے کے بعد فوراً دوسرے مرد سے اپنا نکاح کر سکتی ہے اور ایسی عورت کو ایک طلاق دینے کے بعد اب دوسری تیسری طلاق دینے کا بھی حق نہیں ہے۔ اگر دے گا تو اس پر نہیں پڑے گی، اور اگر ایسی عورت کو یوں کہا۔ تجھ کو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے، تب بھی اس پر ایک ہی طلاق

پڑے گی، البتہ اگر ایک ہی ساتھ تینوں طلاقیں دیدی مثلاً یوں کہا کہ تجھے تین طلاق ہے تو اس صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی[۱]

ایسی عورت کو یوں کہا کہ اگر فلاں کام کرے تو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے، اور اس نے وہ کام کرلیا، تو اس کام کے کرتے ہی تینوں طلاقیں پڑ گئیں[۲]

کسی شرط پر طلاق معلق کرنے کا حکم

اگر خاوند نے اپنی عورت کی طلاق کو کسی شرط پر معلق کر دیا مثلاً یہ کہے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاق تو اس صورت میں وہ عورت جب گھر میں داخل ہوگی اس پر تین طلاق واقع ہو جائے گی، فقہاء کی اصطلاح میں اس طرح طلاق مشروط کرنے کو "تعلیق" کہا جاتا ہے۔ اس کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جس وقت وہ تعلیق کر رہا ہے اس وقت عورت اس کے نکاح میں ہو، جیسے اپنی بیوی سے کہے کہ اگر تو اپنے میکہ گئی تو تجھ پر طلاق یا تعلیق کے وقت عورت اس کے نکاح میں نہ ہو مگر اس تعلیق کو حصولِ ملکیت یعنی نکاح کی طرف منسوب کرے، جیسے کہے کہ اگر میں نے تم سے شادی کرلی تو تجھ پر طلاق[۳]

مسئلہ ــــــ نکاح کرنے سے پہلے کسی اجنبی عورت کو کہا، اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھ کو طلاق ہے تو جب اس عورت سے نکاح کرے گا

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں، فتاویٰ عالمگیری ص ۳۷۳ ج ۱، رد المحتار ص ۲۸۴ ج ۳

(۲) درمختار علیٰ ھامش رد المحتار، ص ۲۸۸ ج ۲

(۳) درمختار علیٰ ھامش رد المحتار، ص ۳۴۴ ج ۲ ۔

تو نکاح کرتے ہی طلاق بائن پڑ جائے گی، اب بغیر دوبارہ نکاح کیے اس کو نہیں رکھ سکتا، اور اگر یوں کہا ہو کہ اگر تجھ سے نکاح کروں تو تجھ پر دو طلاق، تو دو طلاق بائن پڑ گئیں، اور اگر تین طلاق کہا تو تینوں پڑ گئیں، اور اب طلاق مغلظہ ہو گئی۔

مسئلہ ——— اس صورت میں نکاح ہوتے ہی جب اس پر طلاق پڑ گئی اور اس نے دوبارہ اسی عورت سے نکاح کر لیا تو اب اس دوسرے نکاح سے طلاق نہیں پڑے گی۔ البتہ اگر یوں کہے، جتنی دفعہ تجھ سے نکاح کروں ہر مرتبہ تجھ پر طلاق ہے، تو جب جب نکاح کرے گا ہر دفعہ طلاق پڑ جایا کرے گی۔ اب اس عورت کو اپنی بیوی بنا کر رکھنے کی کوئی صورت نہیں۔ (۱)

مسئلہ ——— اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اگر تو اس گھر میں جائے گی تو تجھ کو طلاق اور وہ چلی گئی اور اس پر طلاق پڑ گئی، پھر عدت کے اندر اس نے اسے لوٹا لیا یا پھر سے نکاح کر لیا۔ تو اب پھر گھر میں جانے سے طلاق نہیں پڑے گی (۲)

مسئلہ ——— عورت نے گھر سے باہر جانے کا ارادہ کیا، مرد نے کہا ابھی مت جاؤ، عورت نہ مانی، اس پر مرد نے کہا اگر تو باہر جائے تو تجھ کو طلاق تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ابھی باہر جاوے گی تو طلاق پڑے گی اور اگر ابھی نہ گئی، کچھ دیر میں گئی، تو طلاق نہ پڑے گی۔ کیوں کہ اس کا مطلب یہی تھا کہ ابھی نہ جاؤ پھر جانا یہ مطلب نہیں کہ عمر بھر کبھی نہ جانا۔ اسے فقہاء کی اصطلاح میں "یمین فور" کہا جاتا ہے (۳)

---

(۱) بہشتی زیور ص۲۲۰ حصہ چہارم (۲) درمختار باب ... [illegible] تبطل الیمین اذا وجد الشرط مرۃ الا فی کلما۔ درمختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۴۲ (۳) بہشتی زیور ... ص۲۲۱

بیمار شخص کی طلاق کا حکم

بیمار سے مراد وہ شخص ہے جسے بیماری نے اس قدر نحیف ولاغر کردیا ہو کہ وہ اپنے گھر سے باہر کی ضروریات کی تکمیل سے عاجز ہو جائے، مثلاً اگر وہ دوکاندار ہے تو اپنے دوکان کو چلانے پر قدرت ختم ہو جائے اور اس بیماری میں اس کے نفس کی ہلاکت کا فوری اندیشہ ہو تو اگر ایسا شخص اپنی عورت کو اسی مرض میں طلاق دیدے، اور اسی میں اس کا انتقال بھی ہو جائے اور ابھی عورت کی عدت نہیں گزری تھی تو شوہر کے مال میں سے بیوی کو جتنا حصہ ملتا ہے (اولاد کی موجودگی میں آٹھواں ⅛، اور عدم موجودگی میں چوتھا حصہ ¼) اتنا اس عورت کو بھی ملے گا، چاہے ایک طلاق دی ہو یا دو، تین اور چاہے طلاق رجعی دی ہو یا بائن سب کا ایک ہی حکم ہے اور اگر اس عورت کی عدت ختم ہو چکی تھی تب وہ مرا تو اس کے مال میں سے وراثت نہیں پاوے گی، اسی طرح اگر وہ مرد اسی مرض میں نہیں مرا بلکہ اس سے اچھا اور صحت یاب ہو گیا تھا پھر بیمار ہوا اور مر گیا تب بھی وہ عورت حصہ نہیں پائے گی، چاہے عدت ختم ہو چکی ہو یا نہ ختم ہوئی ہو۔[1]

اگر اسی بیماری کی حالت میں عورت نے طلاق بائن کا شوہر سے مطالبہ کیا، اور اس نے طلاق دیدی تب بھی عورت اس کے مال میں سے حصہ پانے کی مستحق نہیں چاہے اس کی عدت کے اندر وہ شوہر مرے یا عدت کے بعد دونوں کا ایک ہی حکم ہے البتہ اگر طلاق رجعی دی ہو اور عدت کے اندر مرے تو حصہ پاوے گی۔[2]

---

(۱) در مختار علی ھامش رد المحتار ص ۳۸۴ ج ۲ تا ص ۳۸۹، عالمگیری ص ۴۶۲ ج ۱۔ (۲) وکذا ان طالبة رجعیة۔ در مختار علی ھامش رد المحتار ص ۳۸۹ ج ۲۔

بیماری کی حالت میں عورت سے کہا اگر تو گھر سے باہر گئی تو تجھ کو طلاق بائن ہے پھر عورت گھر سے باہر گئی اور طلاق بائن پڑ گئی تو اس صورت میں مستحق وراثت نہ ہوگی کہ اس نے خود ایسا کام کیوں کیا، جس سے طلاق پڑی، اور اگر یوں کہا، اگر تو کھانا کھائے تو تجھ کو طلاق بائن ہے یا یوں کہا، اگر تو نماز پڑھے تو تجھ کو طلاق بائن ہے ایسی صورت میں اگر وہ اس کی عدت میں مر جائے گا، تو عورت کو اس کی وراثت سے حصہ ملے گا، کیوں کہ اس صورت میں عورت کے اختیار سے طلاق نہیں پڑی، کھانا کھانا اور نماز پڑھنا ضروری ہے اس کو کیسے چھوڑتی (۱)

عورت کی طرف طلاق منتقل کرنا

اس سے قبل تفصیل سے یہ بات گزر چکی کہ طلاق کا حق صرف مرد ہی کو ہے وہی جب چاہے طلاق دے سکتا ہے، لیکن کوئی شخص اگر اپنا حقِ طلاق عورت کو دیدے تو اب عورت اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے اس طرح عورت کو حقِ طلاق دینے کو فقہ و شریعت کی اصطلاح میں "تفویضِ طلاق" کہا جاتا ہے، اس کے الفاظ حسب تصریح فقہاء تین ہیں، (۱) تخییر جیسے عورت سے کہا جائے "اِخْتَارِیْ نَفْسَکِ" اپنے نفس کو اختیار کرلو، (۲) امر بالید جیسے اپنی بیوی سے کہے، "اَمْرُکِ بِیَدِکِ" میرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور تیسرا لفظ مشیت ہے، جیسے بیوی سے کہے، "طَلِّقِیْ نَفْسَکِ مَتٰی شِئْتِ" اپنے اوپر جب چاہو طلاق واقع کرلو، پہلے دونوں لفظ یوں کہ کنایہ ہیں، طلاق کا بھی احتمال رکھتے ہیں اور طلاق کے علاوہ دوسرے معنیٰ کا بھی اس لئے ان دونوں کے ذریعہ اس وقت

---

(۱) درمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۲ ص ۲۹۱

طلاق پڑے گی جب طلاق دینے کی نیت ہو، بغیر طلاق کی نیت کے طلاق نہیں پڑے گی۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا "طَلِّقِی نَفْسَكِ" تو عورت اسی مجلس میں جس میں اسے حق طلاق دیا گیا یا کسی نے اسے اس کی اطلاع دی کہ تمہارے شوہر نے تمہیں طلاق دینے کا حق دیدیا ہے، اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے، اگرچہ اس کی وہ مجلس ایک دن سے زیادہ لمبی ہو جائے البتہ اگر وہ اس مجلس سے اٹھ جائے، یا کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جائے جو اس سے اعراض وانحراف کی دلیل ہے تو اب اس کے بعد وہ دیئے ہوئے حق واختیار کے باوجود اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کر سکتی (۱)۔

لیکن اگر شوہر "طَلِّقِی نَفْسَكِ" کے ساتھ "مَتیٰ شِئْتِ" یا "إذا شِئْتِ" وغیرہ، یعنی جب چاہو اپنے اوپر طلاق واقع کر لو کا اضافہ کر دے تو اس طرح کا جملہ کہنے کے بعد عورت کا حق طلاق اور اختیار اسی مجلس تک محدود نہیں ہوگا بلکہ جب بھی وہ چاہے اپنے اوپر طلاق واقِع کر سکتی ہے، اور یہ کہنے کے بعد اس سے شوہر کو رجوع کرنے کا حق بھی باقی نہیں رہتا (۲)۔

اور اگر شوہر نے کسی اجنبی آدمی سے کہا "طَلِّقْ إمْرَأتِي" میری بیوی کو طلاق دیدو، تو اس قول سے شوہر رجوع بھی کر سکتا ہے اور یہ حق طلاق اسی مجلس تک خاص نہیں رہے گا، اس طرح طلاق کے حق کو کسی اجنبی شخص کی طرف

---

(۱) والفاظ التفویض ثلاثة: تخییر، وامر بید، ومشیة الی قوله لا تطلق بعد ذای المجلس...... درمختار علی ہامش ردالمحتار ص۳۱۵ ج۳۔ فتح القدیر، ج۳، ص/۴۱۰۔ عالمگیری، ج/۱، ص/۳۸۰۔

(۲) اذا وا ذا ما ومتی شئت الی قوله لم یصح رجوعه: درمختار علی ہامش ردالمحتار ج۲، ص۳۲۰ ۔ ۳۲۱۔

منتقل کرنے کو اصطلاحِ فقہ میں "توکیل" کہا جاتا ہے [1]

کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا "إِخْتَارِیْ نَفْسَكِ" اپنے نفس کو اختیار کر لو۔ تو اگر اس کے بعد عورت کہے "اِخْتَرْتُ نَفْسِیْ" میں نے اپنا نفس اختیار کر لیا، یا کہے، "أَنَا أَخْتَارُ نَفْسِیْ" میں اپنا نفس اختیار کرتی ہوں تو اس سے صرف ایک طلاق بائن پڑے گی۔ اگر شوہر یا عورت اس سے تین طلاق کی نیت کرے تو اس نیت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور اس سے تین طلاق نہیں پڑے گی [2]

کسی نے اپنی بیوی سے کہا "أَمْرُكِ بِيَدِكِ"۔ اور شوہر نے اس سے تین طلاقوں کو نیت کر لی اس کے جواب میں عورت نے اسی مجلس میں کہا۔ "اِخْتَرْتُ نَفْسِیْ بِوَاحِدَةٍ" ایک دفعہ کے ذریعہ میں نے اپنا نفس اختیار کیا، یا، "قَبِلْتُ نَفْسِیْ" میں نے اپنا نفس قبول کیا، یا "اِخْتَرْتُ أَمْرِیْ" میں نے اپنا معاملہ اختیار کیا، وغیرہ جیسے الفاظ کہے تو اس صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہوں گی [3]

صریح لفظوں سے طلاق دینا

جن الفاظ سے عورت کو طلاق دی جاتی ہے وہ دو قسم کے ہیں، ایک کو صریح کہا جاتا ہے دوسرے کو کنائی۔ صریح وہ لفظ کہلاتا ہے جس کا استعمال صرف طلاق کے لیے ہو، اور طلاق کے معنیٰ میں استعمال اس قدر عام اور غالب ہو کہ اس کے بولتے ہی ذہن طلاق کے معنیٰ کی طرف منتقل ہو جائے۔ جیسے لفظ طلاق

---

(۱) قوله لأجنبي طلق امرأتي إلى قوله لأنه توكيل۔ در مختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۶۴۲

(۲) في اختاري نفسك لا تصح نية الثلاث إلى قوله بل تبين بواحدة۔ در مختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۶۶۳

ہے، اگر ایسے لفظوں سے طلاق دی تو طلاق رجعی پڑے گی، ایک دے گا تو ایک طلاق رجعی پڑے گی اور دو دے گا تو دو رجعی پڑے گی، ان میں نیت کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی[1]

مسئلہ ـــــ اگر اس طرح کے الفاظ سے طلاق دے تو زبان سے نکلتے ہی طلاق پڑ گئی، طلاق دینے کی نیت ہو یا نہ ہو، بلکہ ہنسی دل لگی میں ہو تب بھی طلاق ہو گئی ہے۔

مسئلہ ـــــ اگر کسی نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی، تو جب تک عورت عدت میں رہے تب تک دوسری اور تیسری طلاق اور دینے کا اختیار رہتا ہے، اگر دے گا تو پڑ جائے گی[2]

مسئلہ ـــــ کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا "یَا مُطَلَّقَۃُ" اے مطلقہ عورت، اور اس عورت کا حال یہ ہے کہ اس سے پہلے وہ کسی کے نکاح میں نہیں تھی یا تھی مگر اس شوہر نے اسے طلاق نہیں دی تھی تو یہ کہنے سے اس پر طلاق پڑ جائے گی، اور اگر اس سے قبل وہ کسی دوسرے کے نکاح میں تھی اور اس نے اسے طلاق دیدی تھی اور موجودہ شوہر نے مطلقہ کہہ کر اس کے مطلقہ ہونے کی خبر دینے کی نیت نہیں کی تو اس صورت میں بھی اس پر طلاق پڑ جائے گی[3]

مسئلہ ـــــ کسی نے اپنی بیوی سے کہا "تو مطلقہ" ہے "ل" کے تخفیف کے ساتھ، تو یہ کہنے سے طلاق اس وقت پڑے گی جب کہ شوہر کی نیت طلاق

---

[1] صریحۃ مالم یستعمل الا فیہ الی قولہ او لم ینو شیئا۔ در مختار علی رد المحتار، ج ۳/ ص ۲۴۰ تا ۲۵۰

[2] ج ۱/ ص ۳۵۹ ۔ [3] رجل قال لامرأتہ یا مطلقۃ الی قولہ ان لم ینو بکلامہ الاخبار طلقت، عالمگیری ج ۱/ ص ۳۵۶

دینے کی ہو[1]

کنائی الفاظ سے طلاق

کنائی الفاظ وہ ہیں جن کا استعمال صرف طلاق کے معنیٰ میں نہ ہو، بلکہ طلاق کے علاوہ دیگر معنوں میں بھی ان کا استعمال ہوتا ہو، صاحب درمختار نے کنائی الفاظ کی تعریف اس طرح کی ہے :

"وہ الفاظ جن کی وضع طلاق کے لیے نہ ہوئی ہو، اور وہ طلاق کے علاوہ دوسرے معنوں کا بھی احتمال رکھتے ہوں"[2] ۔ جیسے "اُخْرُجِی" : میرے گھر سے نکل جا، اِذْهَبِی ۔ چلی جا" اَنْتِ وَاحِدَۃٌ ۔ تو یکتا ہے، اس طرح کے الفاظ میں معنیٰ طلاق اور اس کے علاوہ کا بھی احتمال ہے، اس طرح کے الفاظ کا حکم یہ ہے کہ اگر ان کے ذریعہ طلاق دینے کی نیت ہو تو طلاق پڑے گی ورنہ نہیں[3] اور ان سے طلاق بائن پڑے گی ۔

طلاق رجعی میں رجعت کر لینے کا حکم

رجعت کا معنیٰ ہے نکاح کو اپنی سابقہ حالت پر باقی رکھنا، فقہاء کی اصطلاح میں طلاق رجعی کے اندر اپنی بیوی کو لوٹا لینے کا نام "رجعت" ہے ۔

جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق رجعی دی تو عدت کے

---

[1] عالمگیری ج ۱ ص [illegible] [2] ما لم یوضع له واحتمله وغيره [illegible] رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۶

[3] إلا بنية أو دلالة الحال [illegible] رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۵

دوران مرد کو اختیار ہے کہ اس کو لوٹا لے اور اپنے نکاح میں باقی رکھے. پھر سے نکاح کرنے کی ضرورت وحاجت نہیں اور عورت رضامند ہو یا نہ ہو، اس کو کچھ اختیار وحق نہیں ہے، البتہ تین طلاقیں دینے کی صورت میں اسے لوٹانے کا حق نہیں ہے. عالمگیری میں ہے:

واذا طلق الرّجل إمرأتهٗ تطليقةً رجعية أو تطليقتين فلهٗ ان يراجعها فى عدّتها رضيت بذلك اولم ترضَ [1]	جب مرد نے اپنی بیوی کو ایک یا دو رجعی طلاقیں دیں، تو اس کی عدّت کے دوران اسے لوٹا لینے کا حق حاصل ہے چاہے عورت اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔

✲

رجعت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یا تو صاف صاف زبان سے کہدے کہ میں تجھ کو پھر رکھتا ہوں. تجھ کو نہ چھوڑوں گا. یا یوں کہدے کہ میں اپنے نکاح میں تجھ کو لوٹاتا ہوں، یا عورت سے نہیں کہا کسی اور سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو پھر رکھ لیا اور طلاق سے باز آیا بس اتنا کہدینے سے وہ اس کی بیوی ہو گئی، یا زبان سے تو کچھ نہیں کہا مگر اس سے صحبت وہمبستری کرلی، اس سے بوس وکنار یا کوئی ایسی حرکت کرلی جو زوجہ میں ہی درست ہے تو ان سب صورتوں میں بھی رجعت ہو گئی اور وہ اس کی بیوی ہو گئی، پھر سے نکاح کرنے کی ضرورت نہیں ہے [2]

مسئلہ ــــــــ اگر عورت کو اپنے نکاح میں روکنا مقصود ہو تو بہتر ہے کہ اس سے رجعت کرتے وقت دو چار لوگوں کو گواہ بنالے کہ شاید کبھی جھگڑا

---

[1] فتاوىٰ عالمگيرى. ج۱ ص۴۷. كذا فى الهداية. [2] وكما تثبت الرجعة بالقول تثبت

پڑے تو کوئی مکر نہ سکے اگر کسی کو گواہ بنائے بغیر تنہائی میں اس سے رجعت کر لیا تو بھی صحیح ہے اور بغیر گواہ بنائے ہوئے بھی رجعت ہو جائے گی [۱]

مسئلہ ـــــــ ہر وہ چیز جس سے شریعت میں حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس سے رجعت بھی ثابت ہو جائے گی، مثلاً شہوت کے ساتھ بوسہ لینے، اور عورت کے جسم کو ہاتھ لگانے اور اس کی شرمگاہ کے اندرونی حصّہ کو دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح اس سے رجعت بھی ثابت ہو جائے گی [۲]

مسئلہ ـــــــ اگر مطلقہ رجعیہ کو اپنے نکاح میں لوٹانا مقصود نہ ہو تو پھر بغیر شہوت کے اس کا بوسہ لینا یا اسے ہاتھ لگانا یا بغیر شہوت کے اسے بے لباس دیکھنا مکروہ ہے [۳]

مسئلہ ـــــــ جس عورت سے صحبت نہ کی ہو اور نہ اس کے ساتھ خلوت و تنہائی ہوئی ہو، اس کو ایک طلاق دینے کے بعد بھی اس سے رجعت کرنے اور اسے روک رکھنے کا اختیار باقی نہیں رہتا کیوں کہ اسے جو طلاق دی جاتی ہے وہ بائن ہی پڑتی ہے، جیسا کہ پہلے ہی تفصیل سے اس کا حکم بیان کیا گیا ہے [۴]

مسئلہ ـــــــ جس عورت کو ایک یا دو طلاق رجعی دی گئی ہو جس میں مرد کو طلاق سے باز آنے اور رجوع کر لینے کا حق رہتا ہے۔ ایسی عورت کے لیے مناسب ہے کہ خوب بناؤ سنگار اور زیب و زینت کر کے رہا کرے، کہ شاید مرد کا جی کبھی اس کی طرف مائل ہو جائے اور اس سے رجعت کر لے اور مرد کا قصد اگر

---

[۱] فالنسی ان یراجعها بالقول ویشهد علی رجعتها شاهدین ... [illegible]

المصاهرة تثبت بها الرجعة ... ایضا النظر الی داخل فرجها بشهوة ... [illegible]

للمس بغیر ... [illegible]

اس سے رجعت کرنے کا نہ ہو تو اس کو مناسب ہے کہ اس کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے، جب گھر میں آوئے تو کھانس کھنکار کے آوئے تاکہ عورت کا بدن اگر کھلا ہو تو اسے ڈھنک لے، درمختار میں ہے:

والمطلقة الرجعية تتزين لزوجها الحاضر۔ [۱]	اور مطلقہ رجعیہ اپنے موجود شوہر کے لیے زیب وزینت کرے گی،

مسئلہ ــــــ اگر ابھی اس عورت سے رجعت نہ کی ہو، تو اس عورت کو اپنے ساتھ سفر میں لے جانا جائز نہیں اور اس عورت کو اس کے ساتھ سفر میں جانا بھی درست نہیں [۲]

مسئلہ ــــــ جس عورت کو ایک یا دو طلاق بائن دیدی گئی ہو جس میں شوہر کو روک رکھنے کا اختیار نہیں ہوتا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی اور مرد سے نکاح کرنا چاہے تو عدّت گزرنے کے بعد نکاح کرے عدّت کے اندر نکاح درست نہیں، اور اگر خود اسی شوہر سے نکاح کرنا منظور ہو تو عدّت کے اندر بھی نکاح کر سکتی ہے [۳]

طلاق کے مسائل

مسئلہ ــــــ جو شوہر جوان ہو چکا ہو اور وہ دیوانہ و پاگل نہ

---

[۱] درمختار علی هامش ردالمحتار ج۲ ص۷۳۴، وفیه ایضاً وتکره الخلوة بها تنزیها ان لم یکن من قصده الرجعة ج۲ ص۷۳۴

[۲] ولا یخرجها من بیتها ولو لما دون السفر للنهی المطلق درمختار وفی ردالمحتار لقوله تعالیٰ ولا تخرجوهن من بیوتهن الآیة نزل فی المطلقة رجعیة ردالمحتار ج۲ ص۷۳۴ [۳] وینکح مبانة بما دون الثلاث الخ۔ ردالمحتار ج۲ ص۹۰۷۔

ہو تو اس کے طلاق دینے سے طلاق پڑ جائے گی، اور جو لڑکا ابھی جوان نہیں ہوا اور دیوانہ، پاگل جس کی عقل ٹھیک نہیں ان دونوں کے طلاق دینے سے طلاق نہیں پڑتی۔ [1]

مسئلہ ـــــ سوتے ہوئے آدمی کے منہ سے نکلا کہ تجھ کو طلاق ہے یا یوں کہا کہ میری بیوی کو طلاق تو نیند کی حالت میں اس طرح بڑبڑانے سے اس کی بیوی پر طلاق نہیں پڑے گی۔ [2]

مسئلہ ـــــ طلاق تین طرح کی ہوتی ہے، رجعی، بائن، مغلظہ۔ طلاق رجعی صرف لفظ صریح سے پڑتی ہے۔ مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، یا دو بار کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، طلاق دی یا یوں کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو دو طلاق دی، تو ان صورتوں میں عورت پر طلاقِ رجعی پڑے گی، اگر ایک دی تو ایک طلاق رجعی اور دو دی تو دو پڑے گی۔ [3]

مسئلہ ـــــ طلاق بائن الفاظ کنائی سے پڑتی ہے، جیسے کسی نے طلاق کی نیت سے بیوی کو کہا کہ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں یا یہ کہا کہ تو میری بیوی نہیں اور میں تیرا شوہر نہیں، یا اس نے کہا کہ تو میرے اوپر حرام ہے تو ان الفاظ سے عورت پر طلاقِ بائن پڑے گی۔ [4]

---

[1] ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ در مختار علی هامش رد المحتار ص۳۳۵ ج۲ [2] وفیه لا یقع طلاق المجنون والصبی ج۲ ص۲۴۶ فی الدار مختار ولا النائم ص۲۴۳ ج۲ [3] ویقع بها ای بهذه الالفاظ وما بمعناها من الصریح واحدة رجعیة در مختار علی هامش رد المحتار ص۲۴۶ ج۲ ص۲۴۹ [4] در مختار علی هامش رد المحتار ص۲۹۶ ج۲

مسئلہ ـــــ طلاق رجعی میں نکاح فوراً ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ عدت تک باقی رہتا ہے، شوہر کو حق ہے کہ عدت کے اندر بیوی کو لوٹا لے۔ عدت کے اندر لوٹانے سے نئے نکاح کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ عدت گزرنے کے بعد دونوں پھر ایک ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنا چاہیں، تو باہمی رضامندی سے نیا نکاح کر سکتے ہیں اس صورت میں مہر بھی نیا ہوگا۔ اس کے بعد دونوں میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں[۱]

مسئلہ ـــــ طلاق بائن سے فوراً نکاح ختم ہو جاتا ہے اگر اس کے بعد مرد و عورت دونوں ایک ساتھ زندگی بسر کرنا چاہیں تو آپس کی رضامندی سے حلالہ کیے بغیر دوبارہ نیا نکاح کر کے ایک ساتھ رہ سکتے ہیں، اس نئے نکاح کے ساتھ مہر بھی نیا ہوگا، یہ نکاح عدت کے اندر بھی ہو سکتا ہے۔ اور عدت گزرنے کے بعد بھی، مگر یہ واضح رہے کہ عورت اگر اس شوہر کے ساتھ رہنا نہ چاہے تو اسے نئے نکاح پر مجبور کرنا جائز نہیں رہتا ہے[۲]

مسئلہ ـــــ کسی نے شراب وغیرہ کے نشے میں اپنی بیوی کو طلاق دی، جب ہوش آیا تو شرمندہ اور پشیمان ہوا تب بھی طلاق پڑ گئی۔ اسی طرح غصہ میں طلاق دینے سے بھی طلاق پڑ جاتی ہے[۳]

مسئلہ ـــــ نکاح کے بعد جس عورت سے صحبت ہو چکی ہو اس کو ماہواری کی حالت میں طلاق دینا منع ہے، لیکن اگر اسی حالت میں پاک ہونے

---

[۱] وینکح مبانیۃ بما دون الثلاث۔ درمختار علی هامش رد المحتار ج۲/۴۰۹ [۲] وینکح مبانیۃ بما دون الثلاث فی العدۃ وبعدها بالاجماع۔ درمختار علی هامش رد المحتار ج۲/۴۰۹۔ [۳] او سکران۔ درمختار علی هامش رد المحتار ج۲/۴۲۹

سے قبل طلاق دیدے تو جتنی طلاق دے گا اتنی واقع ہو جائے گی[1]

مسئلہ ——— کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں اور پھر بغیر حلالہ کیے ہوئے اسے اپنے پاس بیوی بنا کر رکھ لیا تو وہ حرام ہوگی، اور اب اس عورت سے جو اولاد ہوگی وہ ناجائز ہوگی، ان کا نسب اس شخص سے ثابت نہیں ہوگا، بلکہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہوں گے اور اس شخص کی وراثت کے حقدار بھی وہ اولاد نہیں ہوگی[2]

مسئلہ ——— ایک مجلس میں اگر تین طلاقیں دی جائیں یا بیک لفظ دی جائیں تو تینوں طلاقیں واقع ہوں گی۔ امت کے چاروں مشہور فقہا وائمہ حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل اور جمہور امت کا یہی مسلک ہے، حضرات صحابہ کا بھی یہی مذہب تھا، اور اس پر ان کا اجماع منعقد ہو گیا تھا۔

مسئلہ ——— عورت کسی ایسی وجہ سے جو شریعت کی نظر میں معتبر ہو شوہر کے ساتھ رہنا نہ چاہے اور شوہر اسے طلاق بھی نہ دے اور نہ خلع پر راضی ہو تو ایسی صورت میں عورت قاضی شریعت کے پاس اپنا مقدمہ پیش کر کے اپنے حق میں فیصلہ شرعی حاصل کر سکتی ہے اور قاضی جب حسب ضابطۂ شرع (الحلیۃ الناجزہ، اور کتاب الفسخ والتفریق، میں لکھے ہوئے اصول وضوابط کے مطابق) اس کا نکاح فسخ کر دے تو عدت

---

[1] لحدیث ابن عمر، رد المحتار ج۲ ص۴۲۳ [2] وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره، الخ: عالمگیری ج۲ ص۴۰۲

گزارنے کے بعد وہ عورت اپنا نکاح دوسری جگہ کر سکتی ہے، اور اگر اس کے ساتھ پہلے شوہر نے صحبت نہ کی ہو تو پھر عدت گزارنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔[1]

مسئلہ ــــــ کوئی شخص معتدل حالت میں طلاق دے یا غصہ اور مذاق میں ہر صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔[2]

مسئلہ ــــــ طلاق دیتے وقت بیوی کا یا اس کے کسی رشتہ دار کا موجود ہونا، سننا، قبول کرنا ضروری نہیں ہے، بیوی یا اس کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو۔ اور شوہر تنہائی میں بھی جہاں کوئی نہ ہو طلاق دیدے تو بھی طلاق پڑ جائے گی اسی طرح بیوی موجود ہو اور طلاق کے الفاظ نہ سنے یا سنے لیکن چپ رہے یا طلاق قبول کرنے سے انکار کر دے تو ان صورتوں میں بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔[3]

مسئلہ ــــــ طلاق واقع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ شوہر بالغ ہو، بیہوش نہ ہو، پاگل نہ ہو اور نیند کی حالت میں نہ ہو، اس لیے نابالغ، بیہوش، پاگل و دیوانہ اور سوتے ہوئے شخص کی دی ہوئی طلاق نہیں پڑے گی۔[4]

طلاق کا صحیح طریقہ

مسئلہ ــــــ اگر آپس میں کشیدگی اور بگاڑ پیدا ہو جانے کی وجہ سے طلاق دینے کی ضرورت پڑ جائے تو ایک ساتھ تین طلاق ہرگز نہیں دینی چاہیے کہ تین طلاق ایک ساتھ دینا خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کے

---

[1] دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ اور کتاب الفسخ والتفریق۔ [2] لقولہ علیہ السلامؑ ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاحؑ والعتاق والطلاق۔ مشکوٰۃ ص۲۸۴ [3] بہشتی زیور ص۲۱۵ ج۴ [4] شامی

خلاف ورزی ہے اور ایسا جرم اور سخت گناہ ہے کہ مسلمانوں کا امیر و قاضی اس شخص کو تعزیراً سزا بھی دے سکتا ہے، مثلاً اسے کوڑے لگائے یا جیل میں ڈالے، اور لفظ صریح سے صرف ایک طلاق دینا چاہیے، یعنی یوں کہنا چاہیے کہ میں نے تم کو طلاق دی، اور اگر بیوی سامنے نہ ہو تو یوں کہنا چاہیے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی[1]

یہ ایک طلاق بھی اس وقت دینی چاہیے جب کہ عورت ناپاکی کی حالت میں نہ ہو، پھر پاکی کی حالت میں بھی اس وقت دینی چاہیے جب کہ شوہر نے اس پاکی میں بیوی سے صحبت نہ کی ہو[2]۔

مسئلہ ـــــــ گونگے شخص کی دی ہوئی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے جب کہ اشارہ سے وہ طلاق دے اور اس کا اشارہ لوگ سمجھ جاتے ہوں[3]

مسئلہ ـــــــ شوہر سے اگر زبردستی طلاق دلوائی گئی تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی، ہدایہ میں ہے: "طلاق المکرہ واقع" یعنی زبردستی دی ہوئی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر زبردستی شوہر سے طلاق دلوا دی گئی تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی[4]

اور اگر زبردستی کسی تحریر پر انگوٹھا کا نشان لگوالیا گیا، یا زبردستی اس سے دستخط کروالیے گئے تو اس طرح طلاق واقع نہیں ہوگی، بحرالرائق میں ہے:

---

[1] و [2] طلقة رجعية فقط فی طهر لا وطئ فیه۔ درمختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۱

[3] ای لوکان الزوج اخرس فان الطلاق یقع باشارته لانها صارت معهودة البحر الرائق ج۳ ص۲۴۹۔ [4] طلاق المکره واقع هدایه مع فتح القدیر ج۳ ص۳۴۴

وقید نابانہ علی النطق لانہ لو اکرہ علیٰ ان یکتب طلاق إمرأتہ فکتبَ لا تطلق لأنّ الکتابۃ أُقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھنا۔ [1]

اور ہم نے مقید کیا ہے اس اکراہ کو تکلم کے ساتھ اسلئے کہ اگر اسے اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے بیوی کو طلاق لکھے پھر اس نے طلاق لکھ دی تو طلاق نہیں پڑے گی، اس لئے کہ تحریر تکلم کے قائم مقام بوقت ضرورت ہوتی ہے، اور اس جگہ ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ ______ بیوی کو اگر یقین ہو کہ شوہر نے طلاق دیدی ہے اور شوہر انکار کر رہا ہو، تو ایسی صورت میں بیوی کو چاہیے کہ وہ دار القضاء کے فیصلہ کے بغیر شوہر کے ساتھ نہ رہے، اس لیے اگر شوہر و بیوی کے درمیان طلاق دینے کے بارے میں اختلاف ہو، بیوی کہے کہ شوہر نے ایک یا دو طلاق دی ہے اور شوہر تین طلاق کا اقرار کرے یا اس سے برعکس صورتِ حال ہو یا یہ صورت ہو کہ شوہر طلاق دینے کے باوجود بیوی کے خرچ و مہر وغیرہ سے بچنے کی وجہ سے یا کسی بھی وجہ سے طلاق دینے سے انکار کرے تو ایسی صورت میں عورت پر واجب ہے کہ اپنے اوپر شوہر کو قابو نہ دے بلکہ معاملہ دار القضاء میں پیش کرے، دار القضاء کی طرف سے دونوں سے ثبوت طلب کرنے کے بعد (الحیلۃ الناجزہ، اور کتابُ الفسخ والتفریق کے مطابق) جو فیصلہ کر دیا جائے گا وہ شرعًا درست ہوگا، اور عورت کے لیے اس شرعی فیصلہ کو تسلیم کرنا ضروری ہوگا، [2]

مسئلہ ______ بیوی اگر حاملہ ہو تو ایسی حالت میں بھی طلاق دینے

---

[1] البحر الرائق ج۳/ص۲۲۶ رد المحتار ج۳/ص۲۳۳۔ [2] والمرأۃ کالقاضی إذا سمعتہ او اخبرھا عدل لا یحل لھا تمکینہ إلیٰ قولہ وفی البزازیۃ عن الاوزجندی انھا ترفع الامر للقاضی الخ رد المحتار ج۳/ص۲۵۱۔

سے طلاق پڑجاتی ہے[1]

مسئلہ ـــــــ شوہر اگر بجائے طلاق کے، طلاک، تلاک، طلاغ، تلاغ، وغیرہ کوئی لفظ کہدے جب بھی عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی. اور جتنی مرتبہ یہ لفظ کہے گا اتنی ہی مرتبہ طلاق واقع ہوگی، کیونکہ ایسے الفاظ سے عموماً طلاق ہی مراد ہوتی ہے[2]

مسئلہ ـــــــ کسی نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دی، پھر خاوند راضی ہوگیا اور روک رکھا، پھر دو چار برس میں کسی بات پر غصّہ آیا تو ایک طلاق رجعی اور دیدی، جس میں روک رکھنے کا اختیار ہوتا ہے. پھر جب غصّہ اترا تو روک رکھا اور نہیں چھوڑا یہ دو طلاقیں ہو چکیں. اب اس کے بعد اگر کبھی ایک طلاق اور دے گا، تو تین پوری ہو جاویں گی، اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ عورت بغیر دوسرے خاوند کیے اس مرد سے نکاح نہیں کرسکتی، اسی طرح اگر کسی نے طلاق بائن دی، جس میں روک رکھنے کا اختیار نہیں ہوتا، نکاح ٹوٹ جاتا ہے پھر پشیمان ہوا اور میاں بیوی نے راضی ہوکر پھر سے نکاح پڑھوالیا، کچھ زمانہ کے بعد پھر غصّہ آیا اور ایک طلاق بائن دیدی، اور غصّہ اترنے کے بعد پھر نکاح پڑھوالیا. یہ دو طلاقیں ہوئیں اب تیسری دفعہ طلاق دے گا تو پھر وہی حکم ہے کہ بے خاوند کیے اس سے نکاح نہیں کرسکتی[3]

مسئلہ ـــــــ اگر دوسرے مرد سے اس شرط پر نکاح ہوا کہ صحبت

---

[1] وطلاق العامل یحوز عقیب الجماع لانہ لا یؤدی [illegible]

[2] [illegible] طلاغ [illegible] [illegible] ۲۱۹

کر کے چھوڑ دے گا تو اس اقرار لینے کا کچھ اعتبار نہیں اس کو اختیار ہے کہ چاہے چھوڑ دے یا نہ چھوڑے، اور جب جی چاہے چھوڑ دے، یہ اقرار کر کے نکاح کرنا بہت گناہ اور حرام ہے، اللہ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے لیکن نکاح ہو جاتا ہے، تو اگر اس نکاح کے بعد دوسرے خاوند نے صحبت کر کے چھوڑ دیا یا مر گیا تو پہلے خاوند کے لیے وہ عورت حلال ہو جائے گی۔ [۱]

مسئلہ ——— کسی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیدیں، تو اب وہ عورت بالکل اس مرد کے لیے حرام ہو گئی، اب پھر سے نکاح کرے تب بھی عورت کو اس مرد کے پاس رہنا حرام ہے اور یہ نکاح نہیں ہوا، اب اگر پھر اسی مرد کے پاس رہنا چاہے اور نکاح کرنا چاہے تو اس کی فقط ایک صورت ہے وہ یہ کہ پہلے کسی اور مرد سے نکاح کر کے ہمبستر ہو، پھر جب وہ دوسرا مرد مر جاوے یا طلاق دیدے تو عدّت پوری کر کے پہلے مرد سے نکاح کر سکتی ہے، بغیر دوسرا خاوند کیے پہلے خاوند سے نکاح نہیں کر سکتی، اگر دوسرا خاوند کیا لیکن ابھی وہ صحبت نہ کرنے پایا تھا کہ وہ مر گیا یا صحبت کرنے سے پہلے ہی طلاق دیدی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں پہلے مرد سے جب ہی نکاح ہو سکتا ہے کہ دوسرے مرد نے صحبت بھی کی ہو۔ [۲]

مسئلہ ——— اگر کسی شخص نے اپنی زبان سے طلاق کے

---

[۱] وکان الطلاق ثلاثا إلى قوله او يموت عنها. عالمگیری ج ۱/ص ۴۷۳،

[۲] بہشتی زیور حصہ ۴/ص ۲۱۸ -

الفاظ نہیں کہے اور نہ اشارہ سے طلاق دیا اور نہ لکھا بلکہ صرف دل میں کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، تو اس طرح دل میں ارادہ کرنے اور کہنے سے کسی قسم کی طلاق واقع نہ ہوگی۔[۱]

مسئلہ ——— اگر شوہر اپنی بیوی کی طلاق کو کسی چیز پر معلق کردے، مثلاً بیوی سے کہدے کہ اگر تو نے فلاں کام کیا تو تجھ پر طلاق تو جب بیوی وہ کام کریگی اسی وقت اس پر طلاق پڑے گی۔

جیسے کہ بعض خاوند بیوی سے کہدیتے ہیں، کہ اگر تو فلاں جگہ گئی یا فلاں آدمی سے بات کی تو تجھ پر طلاق تو اس صورت میں جب وہ اس جگہ جائے گی یا اس شخص سے بات کرے گی تو اس پر طلاق پڑ جائے گی، اور ان صورتوں میں شوہر جتنی طلاقیں معلق کرے گا اتنی ہی پڑیں گی۔[۲]

مسئلہ ——— جس عورت کے پیٹ میں بچہ ہو اور اس حالت میں شوہر طلاق دیدے تو بچہ پیدا ہوتے ہی اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور اس کے لیے دوسرا نکاح کرنا جائز ہو جائے گا۔[۳]

مسئلہ ——— اگر مہینہ کے لحاظ سے عدت شمار کرنی ہو (جیسے معمر اور نابالغ لڑکی) تو عربی مہینہ سے عدت شمار کرنی ضروری ہوگی، انگریزی مہینہ کے حساب سے عدت شمار کرنا درست نہیں ہے۔[۴]

---

[۱] حدیث میں ہے: إن الله تجاوز عن امتی ما وسوست به صدورها ما لم تعمل بها أو تتكلم بها، رواه الشيخان مشكوٰة ۱۸۔ [۲] فی العالمگیریة: واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل ان يقول لامرأته ان دخلت الدار فانت طالق ج ۱ ص ۴۲۰۔ [۳] فی حق الحامل وضع جميع حملها، والعنایة ج ۲ ص ۵۱۔ [۴] ثلاثة اشهر بالاهلة، والمحیط ج ۲ ص ۵۰۹۔

مسئلہ ـــــــ شوہر اگر طلاق دیدوں گا کے الفاظ کہے تو اس طرح کہنے سے کسی قسم کی طلاق واقع نہیں ہوتی ۔

مسئلہ ـــــــ بیوی اگر سامنے موجود ہو اور شوہر صرف طلاق کی تحریر بیوی کے سامنے لکھ کر بیوی کے سپرد کرے تو محض عورت کے سامنے اس طرح لکھ کر طلاق دینے سے طلاق نہیں پڑتی ۔ بلکہ زبان سے اس کا الفاظ طلاق کہنا بھی ضروری ہے یا یہ کہ بیوی کی عدم موجودگی میں طلاق لکھے تو پھر اس صورت میں طلاق نامہ کے اندر جتنی طلاق لکھے گا اتنی پڑے گی [۱]

مسئلہ ـــــــ شوہر اگر انشاء اللہ کے ساتھ طلاق دے، یعنی اس طرح کہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی انشاء اللہ، یا انشاء اللہ بیوی کو طلاق دی، یعنی لفظ انشاء اللہ کا استعمال طلاق کے پہلے کرے یا بعد میں، ہر حال میں اس طرح کہنے سے طلاق نہیں ہو گی [۲]

مسئلہ ـــــــ شوہر نے اگر بیوی کو مرض الموت میں طلاق بائن دی (یعنی اس بیماری میں طلاق دی جس میں شوہر کا انتقال ہو جائے) تو اس صورت میں وراثت کا مدار عورت کی عدت پر ہے، یعنی اگر وہ بیوی عدت میں ہے تو شوہر کے مال کی وہ قانونِ شریعت کے مطابق وارث اور حقدار ہو گی، اور اگر اس کی عدت گزرنے کے بعد شوہر کا انتقال ہو تو وہ عورت اس کے مال میں وراثت کی حقدار نہیں ہو گی۔ [۳]

مسئلہ ـــــــ طلاق صرف بالغ شخص کا حق ہے۔ نابالغ شخص کے

۱۔ لأن الكتابة الخ. البحر الرائق. ج ۳/ ص ۲۴۶. ۲۔ إذا قال لإمرأته أنت طالق إن شاء الله متصلا به
[illegible] الخ. عالمگیری. ج ۱/ ص ۴۵۴. ۳۔ ولو طلقها طلاقا [illegible]. عالمگیری. [illegible]

طلاق دینے سے نہ تو طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ نابالغ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے کسی دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے، بعض مرتبہ لڑکی اور لڑکے کے والد کے درمیان اختلاف و نزاع ہو جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں لڑکے کا والد اپنی بہو کو طلاق دیدیتا ہے تو اس طرح طلاق واقع نہیں ہوتی۔ طلاق کا اختیار صرف بالغ شوہر کو حاصل ہے[1]

---

[1] ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل، درمختار علی ہامش ردالمحتار ج۲ ص۴۲۵

لعان
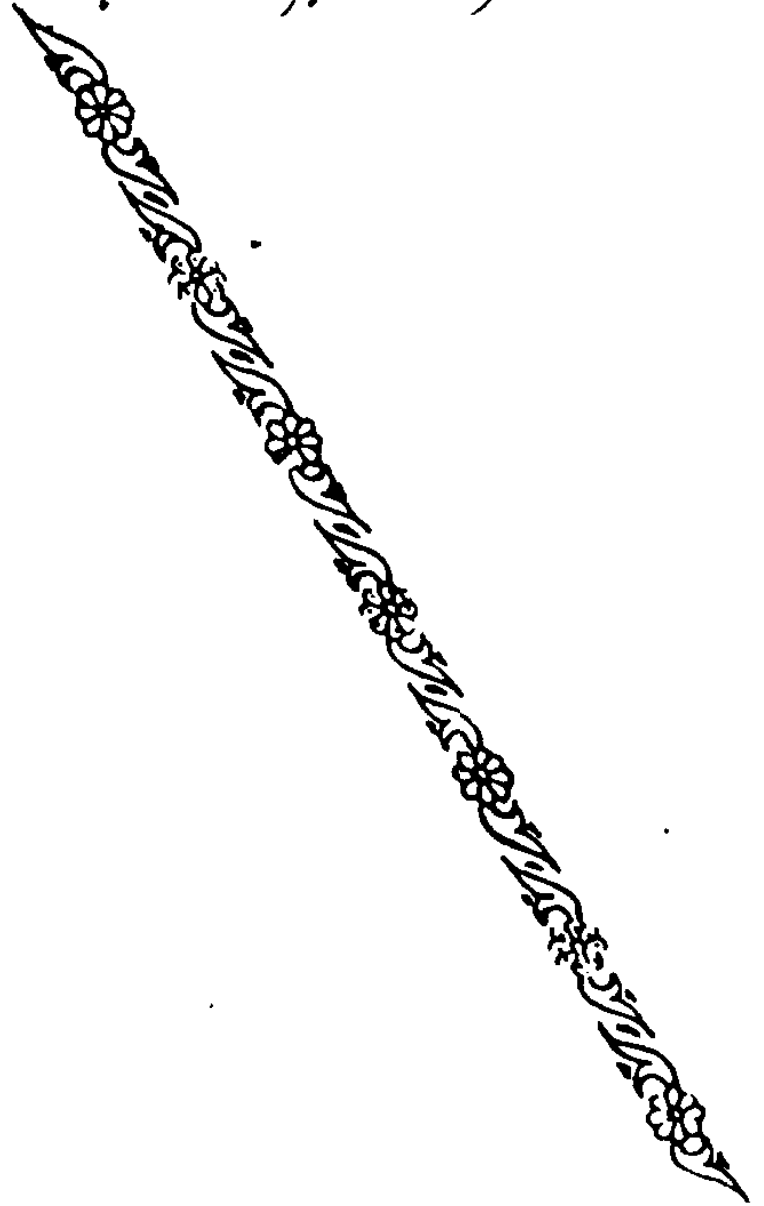
لعان کا شرعی مفہوم

میاں بیوی کے درمیان تفریق کا ایک ذریعہ "لعان" بھی ہے، اپنی بیوی پر بغیر ثبوت اور تحقیق کے زنا کی تہمت لگانا اور اس کے دامن عفت و عصمت کو داغدار کرنا عنداللہ سخت گناہ کا باعث ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے تو اسے ثبوت میں چار عینی گواہ پیش کرنے ہوں گے. اگر شوہر اس پوزیشن میں نہ ہو کہ گواہوں کے ذریعہ اس الزام کو ثابت کردے اور بیوی اس سے انکار کررہی ہو اور اپنی پاکدامنی کا اظہار کرتے ہوئے دارالاسلام میں قاضی شریعت سے شرعی فیصلہ کا مطالبہ کرے تو ایسی صورت میں قاضی شرع میاں بیوی سے چار چار بار مخصوص الفاظ میں قسم لے گا، اور ایک ایک بار دونوں سے جھوٹ بولنے والے پر لعنت کرائے گا. اس کے بعد دونوں میں تفریق کردے گا، اس کو شریعت کی اصطلاح میں لعان کہتے ہیں۔

الزام لگانے کی صورت یہ ہے کہ شوہر کھلے لفظوں میں اپنی بیوی کے بارے میں یہ کہدے کہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے. یا بچہ کی پیدائش کے فوراً بعد یہ کہدے کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے۔

لعان کا ثبوت

امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ہلال بن امیہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی بیوی پر شریک بن سحماء سے زنا کرانے کا الزام لگایا، حضرت ہلال بن امیہؓ کی بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے گواہ پیش کرو، ورنہ تمہاری پشت پر حد جاری ہوگی ـــــ حضرت ہلال بن امیہؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو دوسرے کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے دیکھے تو کیا وہ جا کر لوگوں کو تلاش کرے گا تاکہ اس پر گواہ بنائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وہی جواب دہرایا کہ یا تو ثبوت میں گواہ پیش کرو، ورنہ تمہاری پشت پر حد جاری ہوگی ـــــ حضرت ہلالؓ نے عرض کیا! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو دین حق کے ساتھ مبعوث کیا۔ میں اپنی بیوی پر الزام لگانے میں بالکل سچا ہوں۔ اور ضرور اللہ تعالیٰ وحی نازل فرما کر میری برائت کا اعلان فرمائے گا۔ اس واقعہ کے بعد وحی نازل ہوئی۔ جس میں حضرت ہلال اور اس جیسے دیگر واقعات میں لعان کا حکم دیا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

"اور جو لوگ عیب لگائیں اپنی جوروؤں کو اور شاہد نہ ہوں، اُن کے پاس سوائے ان کی جان کے تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر مقرر وہ شخص سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اس شخص پر اگر ہو وہ جھوٹا اور عورت سے ٹل جاتی ہے مار یوں کہ وہ گواہی دے چار گواہی

اللہ کی قسم کھاکر کہ مقررہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کا
غضب آئے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہے[۱]

ان آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرایا اور پھر ان دونوں میں تفریق کردی۔

لعان کے واجب ہونے کی شرطیں

لعان کب اور کن لوگوں کے دعویٰ پر واجب ہوگا، اس کے چند شرائط ہیں

۱ میاں بیوی میں سے ہر ایک عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہو، علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

ویشترط أیضا الحریة والعقل والبلوغ والاسلام وهذه
شروط راجعة الیهما[۲]

یعنی وجوب لعان کے لیے میاں بیوی کا آزاد، عاقل، بالغ اور
مسلمان ہونا ضروری ہے۔

۲ ــــــ میاں بیوی میں سے ہر ایک کی گواہی عندالشرع معتبر ہو[۳] اگر میاں بیوی دونوں گونگے ہوں یا ان میں سے کوئی ایک گونگا ہو تو ان کے درمیان لعان نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر ان کی گواہی کسی وجہ سے عندالشرع معتبر نہ ہو تو بھی ان کے درمیان لعان نہیں ہوسکتا ہے[۴]

---

[۱] سورۃ نور ۶ - ۱۰ ترجمہ شیخ الہند ص ۴۶۶ و ص ۴۶۷ [۲] ردالمحتار ص ۴۸۳ ج ۲ ، [۳] [۴]

۳ ــــــ شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگاتا ہو اور اس کے پاس گواہ نہ ہو۔

۴ ــــــ عورت اپنے اوپر لگائے گیے الزام کا انکار کرتی ہو اور اپنی برأت و پاکدامنی کا اظہار کرتی ہو۔

۵ ــــــ جو شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگا رہا ہے وہ اس سے قبل الزام تراشی میں سزا نہ پا چکا ہو۔

۶ ــــــ عورت کا اس سے پہلے زنا میں ملوث ہونے کا الزام ثابت نہ ہو۔

۷ ــــــ عورت کی طرف سے اسلامی حکومت کی عدالت میں لعان کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر عورت کی طرف سے لعان کا مطالبہ نہ کیا جائے گا تو لعان نہیں ہوگا۔

۸ ــــــ تہمت صراحۃً زنا کی لگائی گئی ہو، اگر بچہ کی ولادت کے بعد شوہر اس بات کا انکار کردے کہ وہ اس کا بچہ ہے تو اسے بھی تہمت زنا کے حکم میں سمجھا جائے گا۔ اگر بیوی کو یہ تہمت لگائی گئی کہ اس نے قوم لوط والا عمل کرایا ہے تو لعان نہیں ہوگا۔

۹ ــــــ لعان صرف دارالاسلام میں شرعی عدالت میں ہوسکتا ہے غیر اسلامی حکومت میں لعان نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لیے موجودہ ہندوستان میں لعان کے ذریعہ تفریق نہیں ہوسکتی ہے اور نہ لعان کرایا جاسکتا ہے[1]

لعان کا طریقہ

امام محمد نے کتاب الاصل میں لعان کا طریقہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قاضی دونوں میاں بیوی کو آمنے سامنے کھڑا کرے گا اور پہلے شوہر

---

[1] رد المحتار ج۲ ص۵۸۴ ۔ البحر الرائق ج۴ ص۱۱۵-۱۱۳ الفتاوی التاتارخانیہ ج۴ ص۲۰۴۔

سے کہے گا کہ اٹھ کر لعان کرو، شوہر چار بار یہ کہے گا:

"أشهد بالله أني لمن الصادقين فيما رميتها به من الزنا"

میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اپنی بیوی پر جو زنا کا الزام لگایا ہے اس میں بالکل سچا ہوں اور پانچویں بار کہے گا

"لعنة الله عليه إن كان كاذبا فيما رماها به من الزنا"

اگر وہ اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگانے میں جھوٹا ہے تو اس پر خدا کی لعنت ہو،

پھر عورت چار بار یہ الفاظ کہے گی:

"أشهد بالله انه لكاذب فيما رماني به من الزنا"

میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتی ہوں کہ شوہر نے جو میرے اوپر زنا کا الزام لگایا ہے اس میں وہ جھوٹا ہے، اور پانچویں بار کہے گی:

"غضب الله عليها إن كان صادقا فيما رماني به من الزنا"

اگر شوہر مجھ پر زنا کی تہمت لگانے میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا قہر و غضب نازل ہو[1]

لعان کا حکم

لعان کے بعد عورت اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے اور لعان کی صورت میں تفریق سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے مگر اس وقت تک ان دونوں کے درمیان

دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ مرد اپنے جھوٹے ہونے اور غلط الزام لگانے کا اعتراف نہ کرلے۔ لعان مکمل ہونے کے بعد تفریق سے پہلے ہی ان دونوں کے درمیان حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور میاں بیوی کے درمیان تفریق واجب ہو جاتی ہے، اور قاضی شرع کے ذریعہ کی جانے والی تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوتی ہے علامہ ابن نجیم مصری نے لکھا ہے:

"وحکمہ حرمۃ الوطء بعد التلاعن ولو قبل التفریق بینہما و وجوب التفریق بینہما و وقوع البائن بالتفریق" [1]

اور لعان کا حکم لعان کے مکمل ہونے کے بعد عورت سے مباشرت کا حرام ہونا ہے یہ حرمت ان کے درمیان تفریق سے پہلے ہی ثابت ہو جاتی ہے۔ ان میں تفریق واجب ہوتی ہے اور تفریق کے ذریعہ طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

"لعان کا حکم میاں بیوی میں تفریق کا واجب ہونا اور تفریق کے ذریعہ طلاق بائن واقع ہونا ہے" [2]

بچّہ سے انکار کی صورت میں لعان

اگر شوہر اپنی بیوی سے جنم لینے والے بچہ کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے تو گویا وہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے لہٰذا اس صورت میں بھی لعان واجب ہوگا، لعان میں شوہر یہ الفاظ کہے گا:

---

[1] البحر الرائق ج۴ ص۱۱۲۔ [2] رد المحتار ج۲ ص۴۸۳۔

"اشهد باللہ انی لصادق فیما رمیتک بہ من نفی الولد"

میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نفی ولد کے ذریعہ تم پر جو الزام لگایا ہے اس میں میں سچا ہوں۔

عورت بھی اپنی قسم میں انہیں الفاظ کو دہرائے گی۔ لعان مکمل ہونے کے بعد قاضی دونوں میں تفریق کر دے گا اور بچے کو ماں کے حوالہ کر دے گا، درجہ ذیل شرائط پائے جانے کے بعد بچے کا نسب لعان کرنے والے شخص سے ختم ہو جائے گا۔

۱۔۔۔ بچے کی پیدائش کے فوراً بعد شوہر اس بات سے انکار کر دے کہ وہ اس کا بچہ ہے یا اس وقت انکار کر دے جب بچہ کی پیدائش پر مبارکباد دی جاتی ہے۔

۲۔۔۔ انکار سے پہلے صراحۃً یا دلالۃً اس کی طرف سے اقرار نہ پایا گیا ہو، مثلاً یہ کہ جب لوگ اسے بچے کی پیدائش پر مبارکباد پیش کر رہے ہوں تو وہ خاموش رہا ہو۔

۳۔۔۔ جس وقت بچے کا نسب لعان کرنے والے شخص سے ختم کیا جا رہا ہو اس وقت وہ بچہ زندہ ہو۔

۴۔۔۔ ایک ہی بطن سے تفریق کے بعد دوسرا بچہ پیدا نہ ہو، پس اگر پہلا بچہ پیدا ہوا اور شوہر نے اس کی نفی کر دی جس کے نتیجے میں قاضی نے ان دونوں کے درمیان لعان کرایا اور لعان کے بعد تفریق کر کے بچے کو ماں کے حوالہ کر دیا اور اس کا نسب لعان کرنے والے شخص سے ختم کر دیا۔ پھر دوسرے دن دوسرا بچہ پیدا ہوا تو پہلے کا نسب جو ختم کر دیا گیا تھا وہ باطل قرار پائے گا اور اب اس کی نفی صحیح نہیں ہوگی۔[1]

---

[1] البحر الرائق ج۴ ص۱۱۸۔

۵ ـــــ اس بچے کا نسب اس مرد سے پہلے شرعاً ثابت نہ ہو چکا ہو۔ اس کی مثال امام محمد نے جامع الکبیر میں دی ہے مثلاً ایک عورت کے بطن سے بچہ پیدا ہوا یہ بچہ کسی دوسرے شیر خوار بچہ پر گر گیا اور وہ بچہ مر گیا، اور اس طرح سے مرنے والے بچہ کی دیت اس کے باپ کے عاقلہ پر قاضی۔ نے واجب ہونے کا فیصلہ کیا، پھر اس نے اس بچے کے نسب کا انکار کر دیا، اس صورت میں قاضی دونوں میاں بیوی کے درمیان لعان کرا کر تفریق کر دے گا مگر اس بچے کے نسب کی نفی نہیں کرے گا، کیونکہ باپ کے عاقلہ پر دیت کے واجب ہونے کا فیصلہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بچہ اسی کا ہے لہٰذا اب اس کے نسب کی نفی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا[1]

واضح رہے کہ لعان کے بعد بھی عورت پر عدت واجب ہوگی اور عدت کا نفقہ اور اس کے لیے رہائش کا نظم مرد کے ذمہ ہوگا[2]

---

[1] البحر الرائق ج ۴/ص ۱۱۸ ۔ [2] المیزان الکبریٰ للشعرانی ج ۲/ص ۱۲۷ ۔
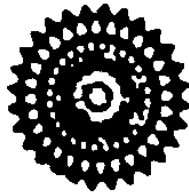
ایلاء

تمہید:

زمانۂ جاہلیت میں لوگ بیوی سے ترک صحبت کی قسم کھاتے تھے اور اس کے لیے "ایلاء" کا لفظ استعمال کرتے تھے، جس عورت سے ایلاء کیا جاتا تھا وہ اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی اور زندگی بھر اس ظلم کا شکار رہتی، اسلام نے عورت پر ہونے والے اس ظلم کا خاتمہ کیا، اور یہ حکم دیا گیا کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ترک مباشرت کی قسم کھا لیتے ہیں، انہیں چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے، اس مدت میں یا تو وہ اپنی قسم سے رجوع کر کے مباشرت کر لیں اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیں، اور اگر چار ماہ کی مدت گزر گئی اور شوہر نے اپنی بیوی سے صحبت نہیں کی تو عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی، ایلاء کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ" [1]

جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں انہیں چار ماہ کی مہلت ہے اگر وہ قسم سے رجوع کر لیں تو اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے

---

[1] سورۃ بقرۃ، ۲۲۶۔

والا ہے اور اگر انہوں نے طلاق ہی کا پکا ارادہ کر لیا ہے تو اللہ سب
کچھ سنتا اور جانتا ہے"۔

ایلاء کا لغوی اور شرعی مفہوم

ایلاء لغت میں قسم کھانے کو کہتے ہیں[1] اور شریعت اسلامی کی اصطلاح میں اپنی بیوی سے چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت تک ہمبستری نہ کرنے کی قسم کھانے یا بیوی سے ہمبستری کرنے کو کسی دشوار کام پر معلق کر دینے کا نام "ایلاء" ہے۔

قسم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کے ذریعہ قسم کھائی جائے۔ اور دشوار کام پر انحصار کا مطلب ہے کہ بیوی سے ہمبستری کرنے کو روزے، حج یا طلاق سے وابستہ کر دیا جائے، مثلاً یہ کہے کہ اگر میں تم سے ہمبستری کروں تو مجھ پر حج واجب ہوگا یا اتنے دنوں کا روزہ واجب ہوگا یا میری فلاں بیوی کو طلاق ہو جائے گی[2]

فتاویٰ شامی میں ہے:

"وفی الشرع ھو الیمین علیٰ ترک قربان الزوجۃ اربعۃ اشھر فصاعداً باللہ تعالیٰ او بتعلیق ما یستشقہ علی القربان"[3]

اور شریعت کی اصطلاح میں چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت کے لیے اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کرنے کی قسم کھانے یا ہمبستری کو کسی دشوار کام پر معلق کرنے کا نام ایلاء ہے"۔

---

[1] لسان العرب [2] الفتاویٰ التاتارخانیہ ج۴ ص۱ [3] رد المحتار ج۲ ص۴۲۴

ایلاء کے الفاظ

ایلاء صرف انہیں الفاظ کے ذریعہ صحیح ہوگا جن سے "یمین" صحیح اور منعقد ہوتی ہے، مثلاً واللہ، باللہ، تاللہ، جلال اللہ، عظمۃ اللہ، اور اس طرح کے دیگر الفاظ۔[1]

ایلاء کے الفاظ صریح بھی ہوتے ہیں اور کنائی بھی :

الفاظ صریح: ـــــــ ایلاء کے صریح الفاظ وہ ہیں جن سے نیت کے بغیر بھی ایلاء درست اور صحیح ہوتا ہے، مثلاً بیوی سے کہے: میں تم سے ہمبستری نہیں کروں گا، میں تم سے مباشرت نہیں کروں گا، میں تم سے وطی نہیں کروں گا، اگر کوئی شخص ایلاء کے صریح الفاظ کے ذریعہ ایلاء کرے گا، تو نیت وارادہ کے بغیر بھی ایلاء درست ہو جائے گا اگر وہ کہے کہ میری مراد اس لفظ سے "ہمبستری" نہیں تھی تو قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

الفاظ کنائی: ـــــــ الفاظ کنائی وہ ہیں جن سے نیت کے ذریعہ ایلاء درست ہوتا ہے، مثلاً بیوی سے کہے میں تجھے ہاتھ نہیں لگاؤں گا، میں تمہارے پاس نہیں آؤں گا، میں تمہارے پاس داخل نہیں ہوں گا، میں تمہارے ساتھ شب گزاری نہیں کروں گا، میرا سر اور تمہارا سر ایک جگہ جمع نہیں ہوگا۔

کنائی الفاظ سے ایلاء کے صحیح ہونے کے لیے نیت ضروری ہے۔[2]

ایلاء کے ارکان

ایلاء کے ارکان چھ ہیں۔ ۱۔ صیغہ یعنی قسم کے الفاظ ۲۔ محلوف بہ

---

[1] الفتاوی التاتارخانیہ ج۴ ص۱۸ [2] حوالہ بالا ج۴ ص۱۹۔

جس کی قسم کھائی جائے ۳؎ محلوف علیہ، جس بات پر قسم کھائی جائے ۴؎ مدت ایلاء یعنی چار ماہ یا اس سے زائد مدت جس میں بیوی سے ترک صحبت کی قسم کھائی جاتی ہے ۵؎ شوہر ۶؎ بیوی۔

شرائط

ایلاء کے صحیح ہونے کے لیے حسب ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے
۱ـــــ شوہر طلاق دینے کی اہلیت رکھتا ہو، جو شخص طلاق دینے کا اہل نہیں ہوگا اس کا ایلاء درست نہیں ہوگا، مثلاً نابالغ اور پاگل شخص کا ایلاء شرعاً صحیح اور درست نہیں ہے کیوں کہ ان دونوں میں طلاق دینے کی اہلیت نہیں ہے،
علامہ شامی نے لکھا ہے:

"افاد اشتراط العقل والبلوغ فلا یصح ایلاء الصبی والمجنون لانہما لیسا من اہل الطلاق"[۱]

صاحب درمختار کے قول "واہلیۃ الزوج للطلاق" سے عقل و بلوغ کا شرط ہونا مستفاد ہوتا ہے، پس نابالغ اور پاگل کا ایلاء صحیح نہیں ہوگا، کیوں کہ دونوں میں طلاق دینے کی اہلیت نہیں ہے،

۲ـــــ ایلاء کے نفاذ کے وقت عورت کا منکوحہ ہونا ضروری ہے اگر نفاذ ایلاء کے وقت عورت منکوحہ نہیں ہے تو ایلاء درست نہیں ہوگا۔ البحر الرائق میں ہے:

"وشرطه محلیة المرأة بأن تکون منکوحة وقت تنجیز الایلاء"[۲]

ایلاء کی ایک شرط یہ ہے کہ عورت محل ایلاء ہو، اور محل ایلاء ہونے کا

۱؎ رد المحتار مع الدر المختار ج۲ ص۴۲۳ ۲؎ البحر الرائق ج۴ ص۵۴۔

مطلب یہ ہے کہ نفاذ ایلاء کے وقت

۳۔۔۔۔ ایلاء میں ترک مباشرت کو کسی خاص جگہ کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے مخصوص کرنے کی صورت میں ایلاء صحیح نہیں ہوگا، مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ: خدا کی قسم میں فلاں شہر میں چار ماہ تک اپنی بیوی سے صحبت نہیں کروں گا تو اسے ایلاء نہیں کہا جائے گا، کیونکہ اس شہر کے علاوہ دوسری جگہ وہ اپنی بیوی سے صحبت کرسکتا ہے۔

علامہ شامی نے لکھا ہے:

"ومنها ان لا یقید بمکان لأنّه یمکن قربانها فی غیرہ"[1]

"ایلاء کی ایک شرط یہ ہے کہ اسے کسی جگہ کے ساتھ مقید نہیں کیا جائے کیونکہ اس صورت میں بیوی سے دوسری جگہ صحبت کرنا ممکن ہے۔"

۴۔۔۔۔ بیوی سے ہمبستری نہ کرنے کی قسم چار ماہ یا اس سے زائد دنوں کے لیے کھائی گئی ہو، اگر کسی نے چار ماہ سے کم عرصہ کے لیے اپنی بیوی سے ترک صحبت کی قسم کھائی ہو تو اسے شرعاً ایلاء نہیں کہا جائے گا، درمختار میں ہے:

"ومن شرائطہ عدم النقص عن المدۃ"[2]

"اور شرائط ایلاء میں مدت ایلاء (چار ماہ یا اس سے زائد) کا کم نہ ہونا ہے۔"

۵۔۔۔۔ بیوی کے ساتھ کسی عورت کو ترک صحبت کی قسم میں شامل نہ کیا گیا ہو اگر کسی دوسری عورت کو شامل کیا گیا تو ایلاء درست نہیں ہوگا، مثلاً کسی نے کہا کہ اللہ کی قسم میں اپنی بیوی اور فلاں عورت سے چار ماہ تک صحبت نہیں کروں گا۔ تو یہ ایلاء نہیں ہوگا، اور بیوی سے صحبت کرنے کی صورت میں قسم نہیں ٹوٹے گی،

---

[1] رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۳ [2] در مختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۳

اور کفّارہ قسم عائد نہیں ہوگا۔[1]

۶ ——— ایلاء کی مدّت میں سے کسی وقت کا استثناء نہ کیا گیا ہو، مثلاً اگر کسی نے یہ کہا کہ: اللہ کی قسم سوائے ایک دن کے میں سال بھر اپنی بیوی سے صحبت نہیں کروں گا تو اس صورت میں ایلاء صحیح نہیں ہوگا۔

ایلاء کی قسمیں اور ان کے احکام

ایلاء کی دو قسمیں ہیں، مطلق اور مؤقت۔

ایلاءِ مطلق ——— یہ ہے کہ کوئی شخص بغیر وقت کی تعیین و تحدید کے مطلقاً اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کرنے کی قسم کھالے، مثلاً کوئی اپنی بیوی سے یوں کہے: خدا کی قسم میں تم سے ہمبستری نہیں کروں گا، یا یوں کہے کہ: میں تم سے کبھی بھی ہمبستری نہیں کروں گا۔

ایلاء مقید ——— یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک ہمبستری نہ کرنے کی قسم کھالی ہو، مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ میں تم سے چار ماہ تک ہمبستری نہیں کروں گا، یا یوں کہے کہ خدا کی قسم میں تم سے چھ ماہ تک، ہمبستری نہیں کروں گا۔

ان دونوں صورتوں میں اگر شوہر نے چار ماہ کے اندر اپنی بیوی سے ہمبستری کرلی تو قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر قسم کا کفّارہ لازم ہوگا، یا اس نے ہمبستری نہ کرنے پر جس چیز کو اپنے ذمّہ واجب کیا تھا وہ چیز اس کے اوپر واجب ہوگی۔ اور اگر اس نے اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کی اور چار ماہ کی مدّت گزرگئی تو اس کی بیوی پر خود بخود ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ مدّت ایلاء کی تکمیل کے

[1] ردالمحتار، ص۲۲۲ ج ۳

بعد علیحدہ سے طلاق دینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

درمختار میں ہے:

"وحکمہ وقوع طلقة بائنة ان برولم یطاء ولزم الکفارة او

الجزاء المعلق ان حنث بالقربان"[۱]

اور ایلاء کا حکم قسم پوری ہونے کی صورت میں جب کہ بیوی سے

مباشرت نہ کی گئی ہو، ایک طلاق بائن کا واقع ہونا ہے اور حانث

ہونے کی صورت میں کفارہ یا جزاء معلق کا واجب ہونا ہے۔"

ایلاء مقید میں ایک طلاق بائن پڑنے کے بعد جب دوبارہ وہ عورت نکاح جدید کے ذریعہ اس کی زوجیت میں آئے گی، تو پھر دوبارہ اس پر سابق ایلاء کے احکام نافذ نہیں ہوں گے البتہ ایلاء مطلق میں زوجیت میں آنے کے بعد دوبارہ اور سہ بارہ بھی ایلاء کے احکام نافذ ہوں گے یعنی دوبارہ زوجیت میں آنے کے بعد شوہر نے چار ماہ کے اندر اپنی بیوی سے ہمبستری کرلی تو قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ اور اگر چار ماہ کے اندر ہمبستری نہیں کی تو چار ماہ کی مدت گزرتے ہی سابق ایلاء کی وجہ سے دوسری طلاق بائن پڑجائے گی۔ پھر سہ بارہ زوجیت میں آنے کے بعد اگر چار ماہ کے اندر ہمبستری کرلی تو قسم کا کفارہ دینا ہوگا، ورنہ چار ماہ کی مدت گزرتے ہی تیسری طلاق پڑجائے گی، پھر اگر حلالہ کے بعد اپنے سابق شوہر کی زوجیت میں آگئی تو سابق ایلاء کی وجہ سے اس پر کوئی طلاق نہیں پڑے گی، لیکن یمین باقی رہے گی، جب بھی شوہر ہمبستری کرے گا، قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔[۲]

---

[۱] درمختار علی ھامش ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۲۴۔

[۲] الفتاویٰ الھندیة، ج ۱، ص ۴۷۶۔

قسم کا کفارہ

قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلایا جائے یا دس مسکینوں کو ایک ایک جوڑا کپڑا دیا جائے۔ اگر اس کی صلاحیت نہ ہو تو پھر تین روزے مسلسل رکھے جائیں[1]

واضح رہے کہ اگر شوہر نے چار ماہ سے کم مدت کے لیے اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کرنے کی قسم کھالی تو یہ ایلاء شرعی نہیں ہوگا۔ البتہ اس طرح کی قسم کھانا بھی باعث گناہ ہے جس سے احتراز لازم ہے۔

---

[1] مائدہ، ۸۹۔

ظہار

اسلام کی نگاہ میں میاں بیوی کا رشتہ ایک پاکیزہ اور مقدس رشتہ ہے جسے باقی اور پائیدار رکھنے کے لیے اسلام نے تفصیلی ہدایات اور احکام دیئے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں عورت کی کوئی حقیقت نہیں تھی، جب مرد چاہتا اسے اپنی زوجیت سے نکال دیتا، ان کے یہاں میاں بیوی میں تفریق کا ایک طریقہ ظہار بھی تھا، جس کی صورت یہ ہوتی تھی، کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی سے کہتا کہ "تو میرے لیے پشت مادر کی طرح ہے" تو وہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی،

طلوع اسلام کے وقت اہل عرب میں جو طریقے رائج تھے، اسلام نے ان میں سے پسندیدہ طریقوں کو باقی رکھا، اور جو طریقے خلاف شرع تھے، ان سے منع فرمادیا، ظہار کے بارے میں اسلام نے یہ ہدایت دی کہ ظہار کرنے والا شخص گنہگار ہے اور اس گناہ کی سزا میں اس وقت تک کے لیے بیوی اس پر حرام کردی گئی جب تک کہ وہ کفارہ ظہار ادا نہ کردے۔

اسلام میں کیا جانے والا سب سے پہلا ظہار

مشہور صحابی حضرت اوس بن صامتؓ کی اہلیہ حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ نماز میں مصروف تھیں، حضرت اوسؓ انہیں نماز پڑھتے دیکھتے رہے، اور جب حضرت خولہؓ نے سلام پھیرا تو انہوں نے اپنی رغبت کا اظہار کیا، مگر

حضرت خولہؓ نے انکار کر دیا، انہیں بیوی کے انکار سے غصہ آیا اور بیوی سے ظہار کر بیٹھے۔ یہ اسلام میں کیا جانے والا پہلا ظہار تھا۔ حضرت خولہؓ دربارِ نبوت میں حاضر ہو کر یوں فریاد کرنے لگی: یا رسول اللہ! اوسؓ نے جب مجھ سے نکاح کیا تھا، اس وقت میں جوان تھی، اور مجھ میں کشش تھی۔ پھر میں عمر رسیدہ ہوئی اور اولاد کی زیادتی سے میری کوکھ پھیل گئی تو اب وہ مجھے اپنی ماں کی مانند کہتے ہیں"

زمانۂ جاہلیت میں ظہار کا جو طریقہ رائج تھا۔ اس کے بارے میں ابھی کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہؓ سے فرمایا! میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں بول سکتا" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر حضرت خولہ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ! میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر میں انہیں ان کے باپ اوسؓ کے حوالہ کرتی ہوں تو بچوں کے لیے تباہی ہے اور اگر اپنے پاس رکھتی ہوں تو میرے لیے ان کی کفالت مشکل ہو گی میں انہیں کہاں سے کھلاؤں گی"۔ آپؐ نے دوبارہ وہی بات دہرائی کہ میں اس معاملہ میں کچھ نہیں بول سکتا" حضرت خولہ رو رو کر کہنے لگیں: میں اپنے پروردگار سے اپنی تنگدستی اور بے کسی کی شکوہ طراز ہوں۔ حضرت خولہؓ کے اس واقعہ کے بعد آیت ظہار نازل ہوئی:

"قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ۝ یقیناً اللہ اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے بارے میں تم سے بات کر رہی تھی اور اللہ سے شکوہ سنج تھی۔ اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے:۱

۱ مجادلہ - ۱۲۔

ظہار کا شرعی مفہوم

ظہار کا لفظ ظہر سے ماخوذ ہے جس کا معنی "پشت" کے ہیں، سواری کے جانور کی طرف جب اس کی نسبت کی جاتی ہے تو اس سے سوار ہونے کی جگہ مراد ہوتی ہے، لیکن جب انسان کی طرف نسبت کی جاتی ہے تو اس سے مقاربت مفہوم ہوتا ہے، ظَاهَرَ امْرَأَتَهُ. کا مطلب ہوتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا۔

شریعت کی اصطلاح میں مسلمان مرد کا اپنی بیوی یا اس کے جسم کے کسی ایسے حصہ کو جس سے پورا جسم مراد ہوتا ہے ایسی عورت سے تشبیہ دینا جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے چاہے یہ حرمت نسب کی بنار پر ہو یا رضاعت و مصاہرت کی بنار پر ہو ظہار ہے، مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ "تو میرے لیے میری ماں کی پشت کی مانند ہے"

ظہار کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ بیوی کو ان عورتوں سے یا ان کے اعضار سے تشبیہ دی جائے جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہیں، اگر بغیر تشبیہ کے بیوی کو ماں، بہن، ساس کہدیا تو اس سے ظہار واقع نہیں ہو گا، اگرچہ وہ ظہار کی نیت کرے، البتہ اس طرح کے الفاظ کا استعمال بھی شرعاً مکروہ اور ممنوع ہے جس سے احتراز لازم ہے۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

"واحترز به عن نحو أنت امي بلا تشبيه فانه باطل"[۱]

صاحب درمختار نے "تشبیہ المسلم" کہہ کر اس سے احتراز کیا ہے کہ اگر کسی نے بغیر تشبیہ کے اپنی بیوی سے کہا "أنت امی" تو میری ماں ہے تو یہ باطل ہے"

---

[۱] رد المحتار مع الدر المختار ج ۲ ص ۴۶۶۔

واضح رہے کہ جزوِ بدن سے تشبیہ دینے سے ایسا جزو یا عضو مراد ہے جس کا دیکھنا حرام ہے، جیسے ران، پیٹھ، پیٹ وغیرہ۔ اگر ایسے اعضاء سے تشبیہ دی گئی جس کا دیکھنا حرام نہیں ہے، مثلاً یہ کہے کہ تو میرے لیے پائے مادر کے مانند ہے تو اس سے ظہار نہیں ہو گا۔ تشبیہ کبھی صریح ہوگی اور کبھی ضمنی۔ صریح کی مثال یہ ہے مثلاً کہے کہ "تو میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔" اور ضمنی کی مثال یہ ہے کہ اپنی بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دے جس کے ساتھ اس کے شوہر نے "ظہار" کیا ہو۔ مثلاً یہ کہے کہ تو میرے لیے ایسی ہی ہے جیسے فلاں عورت اپنے شوہر کے لیے ہے[1]

ظہار کے الفاظ

مثلاً اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا کہے تیرا سر میرے لیے پشت مادر کے مانند ہے یا کہے کہ تیرا بدن میرے لیے میری ماں کی پیٹ کی طرح ہے۔ ظہار کے الفاظ صریح بھی ہوں گے اور کنائی بھی۔ صریح کے الفاظ میں عضو کی صراحت ضروری ہے مثلاً کہے کہ "تو میرے لیے میری ماں کی پشت کے مانند ہے۔" اور کنائی میں عضو کی صراحت ضروری نہیں ہے۔ مثلاً بیوی سے کہے "أَنْتِ عَلَيَّ كَأُمِّيْ" تو میرے لیے میری ماں کی طرح ہے۔ الفاظ کنائی کی صورت میں وقوعِ ظہار کے لیے نیت ضروری ہوگی۔

شرائط

۱۔ ظہار کے صحیح ہونے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ شوہر عاقل

---

[1] البحر الرائق ج۴ ص۹۴ رد المحتار مع الدر المختار ج۲ ص۶۶

بالغ اور مسلمان ہو، لہذا نابالغ، پاگل، معتوہ، مدہوش، بیہوش اور سوئے ہوئے شخص کا ظہار درست نہیں ہوگا۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

"اور مسلمان سے عاقل، بالغ مراد ہے چاہے وہ حکماً ہی عاقل کیوں نہ ہو، پس پاگل، نابالغ، معتوہ، مدہوش، بیہوش اور سوتے ہوئے کا ظہار صحیح نہیں ہوگا" [1]

۲ ——— جس عورت کے ساتھ ظہار کیا جائے اس کا منکوحہ ہونا ضروری ہے الفتاویٰ التاتارخانیہ میں ہے:

"ومن جانب المشبهة ان تكون منكوحة" [2]

۳ ——— جس عورت کے ساتھ تشبیہ دی جائے وہ اس پر عارضی طور پر حرام نہ ہو، بلکہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو، مثلاً اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو مطلقہ ثلاثہ سے تشبیہ دی تو اسے ظہار نہیں کہا جائے گا، البتہ اگر کسی نے ذوات المحارم، مثلاً پھوپھی خالہ اور بہن یا کسی ایسی عورت سے تشبیہ دی جو اس پر رضاعت یا مصاہرت کی وجہ سے حرام ہے، مثلاً ساس یا رضاعی ماں تو اسے ظہار کہا جائے گا [3]

۴ ——— صحت ظہار کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بیوی کو حرام عورت یا اس کے اعضاء سے تشبیہ دی جائے اگر کسی مرد کے عضو سے تشبیہ دی گئی مثلاً بیوی سے کہا کہ تو میرے لیے میرے باپ کی پشت کی مانند ہے، تو اسے ظہار نہیں کہا جائے گا [4]

---

[1] ردالمحتار علی الدرالمختار ص۴۶۶ ج ۳۔

[2] الفتاویٰ التاتارخانیہ ۴/۱۔ [3] بحوالہ بالا۔

[4] ردالمحتار۔ ص۴۶۶ ج ۳۔

عورت کا اپنے شوہر سے ظہار کرنا

ظہار کا اختیار صرف مرد کو حاصل ہے۔ وہی اپنی بیوی سے ظہار کر سکتا ہے، اگر عورت اپنے خاوند سے ظہار کرے تو اسے لغو قرار دیا جائے گا۔ اور اس ظہار کی وجہ سے نہ تو حرمت کا ثبوت ہو گا اور نہ کفارہ واجب ہو گا۔

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

"عورت کے ظہار کرنے کی صورت میں نہ تو حرمت ثابت ہو گی اور نہ ہی کفارہ ظہار اور کفارہ یمین واجب ہو گا۔"[1]

ظہار کا شرعی حکم

ظہار کو اسلام نے ناپسندیدہ عمل قرار دیا ہے، چنانچہ قرآن نے ظہار کے بارے میں کہا ہے:

"تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یعنی انہیں ماں کہدیتے ہیں) وہ حقیقت میں ان کی مائیں نہیں، مائیں تو وہ ہیں جنہوں نے ان کو جنا، بلاشبہ یہ لوگ بڑی گھناؤنی اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔"[2]

ظہار کا دنیوی حکم تو یہ ہے کہ کفارہ ظہار کی ادائیگی سے پہلے تک بیوی سے ہمبستری اور اس کے لوازمات حرام ہیں، یعنی ظہار کرنے کی صورت میں عورت پر ملک نکاح تو باقی رہتا ہے مگر کفارہ کی ادائیگی تک مباشرت اور اس کے

---

[1] رد المحتار ج۲ ص۶۶۲ ـ [2] مجادلہ ـ ۲ ـ

لوازمات سرانجام رہتے ہیں [1]

کفّارۂ ظہار

قرآن میں کفارۂ ظہار اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

"والذین یظاہرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا ذلکم توعظون بہ واللہ بما تعملون خبیر ٥ فمن لم یجد فصیام شہرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا [2]"

"جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کریں پھر کہی ہوئی بات سے واپس پلٹیں تو ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے ان پر ایک غلام یا باندی آزاد کرنا لازم ہے یہ تمہارے لیے نصیحت ہے اور اللہ تمہارے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے پھر اگر کسی کو یہ میسر نہ ہو تو دو مہینے لگاتار روزے رکھے، ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے، پھر جسے یہ بھی میسر نہ ہو تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہے۔"

کفارہ ظہار کی ادائیگی کے تین طریقے ہیں۔

۱ ـــــ مسلمان غلام کا آزاد کرنا۔

۲ ـــــ دو ماہ مسلسل روزے رکھنا اس طرح سے کہ درمیان میں ایک

---

[1] فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۴/۲ [2] مجادلہ۔ ۳۔۴۔

روزہ بھی چھوٹنے نہ پائے، اگر ایک روزہ بھی چھوٹ گیا تو پھر از سرِ نو روزے رکھنے پڑیں گے، اگر دو ماہ تک مسلسل روزے رکھنے سے معذور ہو تو:

۳ ـــــ ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا ساٹھ دنوں تک ایک ہی مسکین کو دونوں وقت کھانا کھلائے یا پھر صدقۂ فطر کی مقدار ایک کیلو چھ سو اکانوے گرام گیہوں یا اس کی قیمت کے بقدر کوئی دوسری مالیت یا اس کی قیمت فی کس کے حساب سے ساٹھ مسکینوں کو دیدے۔ یا ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تک دیتا رہے [1]

اس زمانہ میں غلام کی آزادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، لہذا کفارہ کی ادائیگی اولاً متواتر دو ماہ کے روزے کے ذریعہ ہوگی اور اگر اس کی قدرت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلا کر۔

واضح رہے کہ اگر کفارہ کی ادائیگی روزے کے ذریعہ ہو رہی ہے تو درمیان میں مباشرت سے بچتا رہے گا، اگر درمیان میں مباشرت کرلی، تو از سرِ نو روزے رکھنے پڑیں گے ـــــ البتہ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی صورت میں اگر درمیان میں ہمبستری کرلی تو اس کا اعادہ نہیں ہوگا۔

روزہ اس حساب سے شروع کرنا چاہیے کہ درمیان میں عیدین اور ایّام تشریق نہ پڑے، اگر کسی عذر سے یا بغیر عذر کے یا ہمبستری کر کے روزہ توڑ ڈالا، چاہے ایسا قصداً کیا ہو یا سہواً، دن میں کیا ہو یا رات میں اس پر از سرِ نو متواتر دو ماہ کے روزے رکھنے واجب ہوں گے [2]

---

[1] رد المحتار۔ ج ۳۔ ص ۴۷۹۔

[2] رد المحتار۔ ج ۳۔ ص ۴۷۷۔

خلع

نکاح ایک عبادت ہے

نکاح ایک عبادت اور خوشگوار زندگی گزارنے کا نبوی طریقہ اور شرعی معاہدہ ہے، یہ بقاء نسل کا پاکیزہ ذریعہ ہے، اس سے زندگی میں سکون واطمینان آتا ہے، اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ نکاح ہونے کے بعد تاحیات یہ رشتہ باقی رہے، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شوہر اور بیوی کے مزاجی اختلاف یا صورت وکردار کے فرق کی بنا پر دونوں میں نباہ نہیں ہو پاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی حق تلفی کرکے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے لگتے ہیں، اس لیے ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے طلاق وخلع کا طریقہ مقرر کیا ہے تاکہ دونوں خوش اسلوبی سے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔

ایک صحابیہؓ کا خلع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت حبیبہ بنت سہلؓ کا ایک واقعہ خلع کا پیش آیا تھا، وہ ایک خوب رو عورت تھیں اور ان کا نکاح حضرت ثابت بن قیسؓ سے ہو گیا تھا جو اگرچہ جلیل القدر صحابی تھے، اور جنتی ہونے کی بشارت پا چکے تھے، مگر سیاہ صورت اور قصیر القامت انسان تھے، اور مزاج میں بھی کچھ شدت تھی، ایک دن صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے لیے نکلے تو دیکھا کہ ایک عورت کھڑی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کون ہے؟ .... جواب ملا! حبیبہ بنت سہل ہوں، فرمایا کیا بات ہے؟ بولیں اے

اللہ کے رسولؐ میں ثابت بن قیسؓ کے ساتھ نہیں رہ سکتی، وہ بد شکل ہیں اور میں خوش شکل ہوں، میں نے خیمہ کا پردہ اٹھایا تو دیکھا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ آرہے ہیں، ان میں وہ سب سے سیاہ، کوتاہ قد اور بدچہرہ تھے، میں ان میں عیب نہیں لگاتی مگر ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی، بعض راوایتوں میں آتا ہے کہ حضرت ثابت بن قیسؓ نے انہیں مارا بھی تھا، ان کی اس فریاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ:

"ثابت نے جو باغ (مہر میں) تم کو دیا ہے کیا تم اسے واپس کر دو گی؟ انہوں نے عرض کیا! ہاں رسول اللہ، بلکہ اگر وہ چاہیں تو کچھ زیادہ بھی دوں گی، تو آپؐ نے فرمایا! نہیں زیادہ نہیں"، پھر آپؐ نے ثابت بن قیس سے طلاق دینے کو کہا تو انہوں نے طلاق دیدی، اور حبیبہؓ سے اپنا باغ واپس لے لیا۔" [1]

خلع کا مطالبہ

لیکن عام پُرسکون ازدواجی زندگی میں خلع کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے جو عورت محض جنسی لذّت کے لیے شوہر کو چھوڑنا اور بلا وجہ خلع لینا چاہتی ہے، وہ جنت کی خوشبو سے اپنے آپ کو دور رکھتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

"جو عورت بغیر کسی وجہ کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ

---

[1] سنن اربعہ۔ بحوالہ فتح الباری۔ جلد ۹ صفحہ ۳۲۵ تا ۳۵۱۔

کرے تو اس پر جنّت کی خوشبو حرام ہے"۔ ؎۱

"آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اپنے شوہروں سے الگ ہونے والی خلع لینے والی عورتیں منافق ہیں"۔ ؎۲

عورتوں کو خلع کا مطالبہ ان ہی حالات میں کرنا چاہیے، جب انہیں یہ اندیشہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے جو حقوق متعین کیے ہیں ان کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، یہ خلاف ورزی چاہے دونوں کی طرف سے ہو یا ایک کی طرف سے، جیسے کوئی عورت اپنے شوہر کی جسمانی خرابی، بڑھاپا، ضعف و کمزوری یا بد خلقی اور بدصورتی کی وجہ سے نفرت کرے، اور آئندہ کی زندگی میں کشیدگی اور عداوت پیدا ہونے اور بڑھنے کا اندیشہ ہو اور وہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے شوہر کی اطاعت کا جو حق اس پر عائد کیا ہے، اسے وہ ادا نہیں کر سکے گی، یا ادا نہیں کر پا رہی ہے تو ایسی صورت میں وہ "مہر" کے بدلے شوہر سے خلع حاصل کر لے، شوہر کو چاہیے کہ اس کو خلع دے کر الگ کر دے،

بلکہ مناسب یہ ہے کہ ایسی حالت میں پہلے دونوں اپنے اپنے خاندان سے ایک ایک دین دار اور سمجھدار شخص کو اپنا نمائندہ و حکم بنا دیں، اور یہ دونوں نمائندے ان دونوں میاں بیوی کے معاملہ پر غور کریں اور دیکھیں کہ آپس میں کشیدگی کی وجہ کیا ہے، اگر زیادتی شوہر کی طرف سے ہو تو اسے تنبیہ کریں، اور عورت کی ہو تو اسے سمجھائیں اور اگر اس سے کام نہ چلے اور زیادتی عورت کی ہی ہو تو مہر کے بدلے خلع کرا دیں، اور اگر زیادتی و ظلم شوہر کی طرف سے ہو تو مہر کی معافی کے بغیر طلاق دلوا دیں،

؎۱ نسائی شریف۔ ؎۲ مشکوٰۃ شریف

خلع کا مفہوم

خلع طلاق ہی کی ایک قسم ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ طلاق دینے کی صورت میں شوہر بیوی کو مہر ادا کرتا ہے اور خلع کی صورت میں بیوی مہر معاف کر دیتی ہے، یا واپس لوٹا دیتی ہے، فتح القدیر میں ہے:

"شوہر لفظ خلع کے ذریعہ بیوی کو چھوڑ دے اور خلع کے بدلے میں مال لے۔" [۱]

خلع میں ایک طرف بیوی کی رضامندی ہوتی ہے اور دوسری طرف شوہر کی رضامندی ہوتی ہے، بعض عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اگر وہ خود سے مہر کے بدلہ خلع کا اعلان کر دیں تو خلع ہو جائے گا شوہر چاہے اس کو قبول کرے یا نہ کرے، ایسا سمجھنا غلط ہے، جب تک شوہر منظور نہ کرے، خلع نہ ہوگا، اور عورت شوہر کی بیوی باقی رہے گی۔

خلع کا معاوضہ

خلع میں معاوضہ کی مقدار بھی محدود ہونی چاہیے، اور شوہر کو مہر کے بدلے خلع کرنا چاہیے، اگر مہر کی رقم دیدی ہو تو عورت واپس کر دے اور اگر نہیں دی ہے تو معاف کر دے، مہر کی رقم سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"خلع لینے والی بیوی سے شوہر اس سے زیادہ نہ لے جتنا اس نے اس کو دیا ہے۔" [۲]

---

[۱] فتح القدیر ج ۳ ص ۱۹۹ - [۲] بیہقی۔

اس لیے جب حضرت ثابت بن قیس رض کی بیوی جمیلہ بنت سہل رض نے خلع کے بدلے میں مہر میں لیے ہوئے باغ سے زیادہ دینا چاہا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں اس سے زیادہ نہیں، اسی طرح خلع میں شوہر کا معاوضہ لینا بھی اسی وقت درست ہے جب آپسی بگاڑ کی وجہ بیوی کی نافرمانی ہو، اور اگر خلع کی وجہ شوہر کی زیادتی ہو، تو پھر شوہر کو بیوی سے خلع کے بدلے کچھ بھی لینا درست نہیں ہے۔
ہدایہ میں ہے:

"اگر نافرمانی شوہر کی جانب سے ہو تو اس صورت میں شوہر صرف اپنا دیا ہوا مال بیوی سے واپس لے سکتا ہے، اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے"۔

خلع میں ظلم

خلع بوقت ضرورت میاں بیوی کی جدائی کا ایک بہتر طریقہ تھا، مگر اب اس کو مال کے حصول اور بیوی پر ظلم کرنے کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے، چنانچہ مرد بیویوں پر طرح طرح کے ظلم بھی ڈھاتے ہیں، اور ان کے مطالبہ پر اس ڈر سے طلاق بھی نہیں دیتے ہیں کہ مہر وغیرہ دینا پڑے گا، اس لیے وہ بیویوں کو خلع لینے پر مجبور کرتے ہیں تاکہ مہر اور عدت خرچ وغیرہ نہ دینا پڑے، بلکہ بعض لوگ تو خلع کے بدلے سامان جہیز بھی رکھ لیتے ہیں، یاد رکھیں ایسا کرنا بیویوں پر شدید ظلم ہے، ان کا ظلم تو بیوی کو تکلیف پہونچانا ہے، اور دوسرا بیوی کے مطالبہ

پر طلاق نہ دینا ۔ اور تیسرا خلع پر مجبور کر کے اس طرح مال حاصل کرنا ہے ۔ نا ہانکہ اس طرح کی زور زبردستی سے مال حاصل کرنا جائز نہیں ہے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

"خبردار ظلم نہ کرو اور کسی شخص کا مال دوسرے کے لیے
اس کے نفس کی خوشی کے بغیر حلال نہیں" ؎

اِس لیے اگر زیادتی شوہر کی طرف سے ہو تو اس کے لیے خلع میں مہر یا دیگر کسی طرح کا مال لینا جائز نہیں ہے ۔

خلع کا طریقہ

خلع کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو مسلم گواہوں کی موجودگی میں بیوی خلع کے یہ الفاظ کہے کہ "میں نے خلع کے عوض اپنا کل مہر اور عدت کا خرچ معاف کیا" ۔

اور شوہر کہے کہ میں نے خلع کو منظور کرتے ہوئے اپنی بیوی فلاں کو خلع کر دیا ، اب وہ میری بیوی نہیں رہی ۔

خلع کے الفاظ زبان سے ادا کرنے کے بعد دونوں خلع کی تحریر پر اپنا دستخط یا نشان انگوٹھا ثبت کریں ، پھر گواہان اور کاتب تحریر بھی اپنا دستخط مع ولدیت وسکونت ثبت کریں ،

؎ مشکوٰۃ شریف ۔

خلع کا مضمون یوں تحریر کیا جائے:

خلع نامہ

دستخط گواہ ۱

چوں کہ ہم زوجین فلاں .... و فلاں .... میں نا چاقی پیدا ہو گئی ہے اور آئندہ باہمی معاشرت خدائی حکم کے مطابق دشوار ہے اس لیے ہم نے خلع کے ذریعہ رشتۂ نکاح کو ختم کرنا مناسب سمجھا۔

چنانچہ آج تاریخ ..... سنہ کو من .... دختر .... ساکنہ .... نے خلع (طلاق بائن) کی شرط پر اپنا کل زر مہر و نفقۂ عدت معاف کیا، بعد خلع میرا کوئی مطالبہ اس بارے میں نہ ہوگا۔

دستخط گواہ ۲

من .... پسر .... ساکن .... نے اس خلع کو منظور کرتے ہوئے اپنی بیوی .... دختر .... کو خلع کر دیا (آزاد کر دیا) اب وہ میری بیوی نہیں رہی۔

ہم فریقین نے بصحت ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ یہ خلع زبانی کیا اور یہ تحریر بنائی تاکہ بوقتِ ضرورت کام آئے۔ فقط۔

کاتب ....

دستخط فریق اول .... دستخط فریق دوم ....

خلع کا حکم

خلع حکم میں ایک طلاق بائن کے ہے، خلع کرنے سے رشتہ نکاح ختم ہوجاتا ہے اور میاں بیوی ایک دوسرے سے آزاد ہوجاتے ہیں، خلع کے بعد اگر دونوں پھر ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونا چاہیں تو پھر سے نکاح کر کے میاں بیوی کی طرح زندگی گزار سکتے ہیں، مگر اب مرد کو بیوی پر دو ہی طلاق کا حق باقی رہے گا، اور خلع جس مال پر ہوگا اس کا مالک شوہر ہوگا، اگر بیوی کا مہر شوہر کے ذمہ ہو اور اس نے نقد مال پر خلع کیا تو نقد مال بیوی شوہر کو دے گی، اور مہر بھی ساقط ہوجائے گا، بیوی مہر نہیں لے سکتی ہے اسی طرح خلع کرنے سے گزشتہ مدت کا نفقہ بھی ساقط ہوجائے گا، البتہ عدت کا نفقہ بھی ساقط نہیں ہوگا، بشرطیکہ خلع میں اس کا ذکر نہ ہو، اور اگر بیوی نے اولاد کے نفقہ کی معافی پر خلع کیا تو خلع ہوجائے گا، مگر اولاد کا نفقہ باپ سے ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ ماں کو اولاد کے نفقہ کے عوض خلع کرنے کا حق نہیں پہونچتا، اسی طرح خلع سے حق حضانت (بچوں کی پرورش کا حق) بھی ساقط نہیں ہوگا، اگرچہ خلع میں اس کا ذکر نہ ہو[1]

عدّت کا مسئلہ

خلع کے بعد شوہر دیدہ عورت کو عدت گزارنی لازم ہے، اگر حیض آرہا ہو تو عدت تین حیض ہے اور اگر حیض نہ آتا ہو چاہے کم عمر ہونے کی وجہ

[1] رد المحتار۔

سے یا زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے ہو تو عدت تین مہینہ ہے اور اگر حمل ہے تو بچہ پیدا ہونے پر عدت ختم ہوگی۔

۔ خلع سے عدت کے دوران عورت کی سکونت کا حق زائل نہیں ہوگا، اگر خلع شوہر کے گھر رہنے کے دوران ہوا ہو تو عورت عدت تک اس کے مکان میں رہے گی، اگرچہ خلع میں اسے معاف کردیا گیا ہو، اس لیے کہ یہ حق سکونت حقوق اللہ میں داخل ہے اور بندہ اس کو ختم کرنے کا حق نہیں رکھتا ہے۔

نوٹ: خلع والا مضمون مولانا انیس الرحمٰن صاحب نائب قاضی شریعت نے تحریر فرمایا تھا، مولانا کے مشورہ سے خلع پر الگ سے لکھنے کے بجائے اسی مضمون کو افادیت کے پیش نظر کتاب میں شامل کردیا گیا۔

عدّت

تمہید

نکاح ایک پاکیزہ اور مقدس رشتہ ہے جس سے مرد و عورت میں غیر معمولی لگاؤ اور محبت و تعلق پیدا ہو جاتا ہے، دونوں ایک دوسرے کے لیے باعث سکون اور ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں شریک ہوتے ہیں۔

شوہر سے طلاق پانے اور اس کی وفات کی صورت میں عورت کا رنج و غم میں مبتلا ہونا ایک فطری بات ہے، عورت اپنے کرم فرما، زندگی کے ساتھی اور ایک ایسی ہستی سے محروم ہو جاتی ہے جس کے سائے تلے وہ آرام اور بےفکری کے ساتھ زندگی گزارتی تھی، جو اس کی ضروریات اور بھلے برے کا خیال رکھتا تھا، جو اس کی عزت کا محافظ اور اس کی امیدوں کا مرکز تھا۔

زمانہ جاہلیت میں عورتوں کی عدت گزارنے کے بڑے بھیانک دردناک اور وحشیانہ طریقے رائج تھے، مگر مذہب اسلام امن و شانتی اور عدل و مساوات کا علمبردار ہے اس نے عورتوں کے لیے عدت گزارنے کا نہایت ہی پاکیزہ اور فطری طریقہ مقرر فرمایا۔ جس میں مرد و عورت کی حیثیت اور مقام کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

عدّت کا شرعی مفہوم

عدت اس مخصوص مدّت کا نام ہے جو عورت پر وقوع طلاق یا

شوہر کی وفات کے بعد نکاح یا مباشرت کے آثار ختم ہونے کے لیے شرعاً متعین کی گئی ہے۔ اس مدت میں عورت کسی دوسرے مرد سے شادی نہیں کر سکتی ہے'

ردالمحتار میں ہے:

"وعرفها في البدائع بانها اجل تضرب لانقضاء ما بقي من

أثار النكاح" [۱]

یعنی عدت اس مخصوص مدت کا نام ہے جو آثار نکاح کو ختم کرنے

کے لیے عورت پر واجب کی گئی ہے۔"

عدت کا مقصد شوہر سے جدائی پر اپنے غم و افسوس کا اظہار اور اس کی موت پر سوگ منانا اور اس بات کا اطمینان کر لینا ہے کہ اب اس عورت کے رحم میں شوہر کا بچہ پرورش نہیں پا رہا ہے اس لیے اب اگر وہ دوسری شادی کرتی ہے تو اس کا کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ نسب میں اختلاط اور اشتباہ پیدا ہوئے

عدّت طلاق

طلاق کی عدت مختلف عورتوں کے لیے مختلف ہوگی۔

۱۔۔۔۔۔ حاملہ، جس عورت کو طلاق دی گئی ہے اگر وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت بچہ کی پیدائش تک ہے، بچہ پیدا ہوتے ہی اس کی عدت مکمل ہو جائے گی'
سورہ طلاق میں حاملہ عورتوں کی عدت کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ [۲]

---

[۱] ردالمحتار ج۲/ص۵۰۲ [۲] سورہ طلاق - ۴ -

"اور حاملہ عورتوں کی عدت کی مدت بچہ پیدا ہونے تک ہے"۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے۔

"وفی الحامل عدتھا أن تضع حملھا"[1]

اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔"

۲ ــــــ حاملہ نہ ہو مگر اس عورت کو ماہواری کا سلسلہ جاری ہو تو جس پاکی میں اسے طلاق دی گئی ہے، اس کے بعد تین حیض تک عدت گزارے گی، اور اگر مسنون طریقہ کے خلاف اسے ناپاکی کی حالت میں طلاق دی گئی ہو تو اس ناپاکی کے علاوہ مزید تین حیض تک عدت گزارنی پڑے گی۔

قرآن میں ایسی عورتوں کے بارے میں کہا گیا ہے:

"وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ"[2]

مطلقہ عورتیں تین ایام ماہواری گزرنے تک نکاح وغیرہ سے رکی رہیں۔

۳ ــــــ حاملہ نہ ہو اور بچپن کی وجہ سے ابھی خون آنے کی ابتدا ہی نہ ہوئی ہو، یا کبر سنی (درازی عمر) کی وجہ سے ماہواری کا سلسلہ بند ہو گیا ہو، تو ایسی عورت کی عدت تین ماہ ہے ــــــ سورۂ طلاق میں ہے:

" وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ"[3]

اور جو عورتیں ناامید ہو چکیں حیض سے ان عورتوں کے بارے میں اگر تم کو شبہ رہ گیا تو ان کی عدت تین مہینہ ہے اور ایسی ہی وہ

---

[1] الفتاویٰ التاتارخانیہ ج۵ ص۲۳۴ [2] سورۂ بقرہ آیت ۲۲۸ [3] سورۂ طلاق ۴

عورتیں جن کو حیض آنا شروع نہیں ہوا"۔

اگر طلاق مہینہ کی پہلی تاریخ کو دی گئی ہو تو قمری مہینہ کے حساب سے پورے تین ماہ عدت گزاری جائے گی، اور اگر مہینہ کے درمیان میں طلاق دی گئی تو نوے دن عدت کے شمار کیے جائیں گے ___ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

"اگر عدت طلاق یا عدت وفات مہینہ کے ذریعہ واجب ہوئی ہو اور وجوب عدت مہینے کی پہلی تاریخ کو ہوا ہو تو اس صورت میں قمری مہینے کا لحاظ ہوگا، اگرچہ مہینہ تیس دن سے کم کا ہو (یعنی تین مہینے عدت گزاری جائے گی) اور اگر اس کی نوبت مہینے کے درمیان میں آئی ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی ایک روایت کے مطابق طلاق کی صورت میں نوے دن عدت کے شمار کیے جائیں گے، اور وفات کی صورت میں ایک سو تیس ۱۳۰ دن عدت کے شمار کیے جائیں گے۔[۱]

ردالمحتار میں ہے:

"فعند الامام یعتبر بالایام فتعتد فی الطلاق بتسعین یومًا وفی الوفات بمائة وثلاثین یومًا"۔[۲]

پس امام ابوحنیفہ کے نزدیک دنوں کا اعتبار ہوگا اور طلاق کی صورت میں نوے دن اور وفات کی صورت میں ایک سو تیس ۱۳۰ دن عدت کے شمار ہوں گے"۔

عدّت گزارنے کے لیے علم و واقفیت ضروری نہیں ہے بلکہ شوہر نے

---

[۱] الفتاویٰ التاتارخانیہ ج ۴/۵۶ [۲] ردالمحتار ج ۲/۵۰۹۔

جس وقت طلاق دی اس وقت سے عدت شروع ہو جائے گی، اگرچہ عورت کو اس کا علم نہ ہو، مثلاً فرض کیجئے شوہر نے یکم فروری کو اپنی بیوی کو طلاق دیدی، اور بیوی کو اس طلاق کا علم جون میں ہوا، اور اس عرصہ میں عورت کو تین بار ماہواری آچکی ہے۔ تو اب اس کی عدت گزر چکی، جس وقت اسے طلاق کی اطلاع ہوئی اس وقت سے عدت گزارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح سے اگر شوہر کا انتقال سفر میں ہوا، اور عورت کو چار ماہ دس دن کے بعد شوہر کی وفات کا علم ہوا، تو اس صورت میں اس عورت کی عدت گزر چکی، وفات کی خبر ملنے کے بعد دوبارہ عدت گزارنے کی ضرورت نہیں ہے ـــــ در مختار میں ہے:

"ومبدأ العدة بعد الطلاق وبعد الموت على الفور وتنقضي العدة وان جهلت المرأة بها ای بالطلاق والموت لانها اجل فلا يشترط العلم بمضيه"[1]

اور عدت طلاق اور موت کے فوراً بعد شروع ہو جاتی ہے اور عدت مکمل ہو جاتی ہے اگرچہ عورت کو طلاق اور موت کی خبر نہ ہوئی ہو، اس لیے کہ عدت مدت کا نام ہے لہٰذا اس کے گزرنے کا علم ہونا ضروری نہیں ہے۔

ایک طلاق والی عورت عدت کیسے گذارے

اگر عورت طلاق رجعی کی عدت گزار رہی ہو تو اسے خوب زیب و زینت اور بناؤ سنگار کرنا چاہیے، خوشبو استعمال کرنا چاہیے، اور اچھے اچھے

---

[1] درالمختار علی هامش ردالمحتار ج۲ ص۵۳۔

کپڑے پہننا چاہیے، تاکہ اس کی طرف مرد کی طبیعت کا میلان ہو اور وہ رجوع کرلے،
فتاوی تاتارخانیہ میں ہے :

"ولا یجب الحداد علی المطلقة الرجعیة، وفی شرح الطحاوی:

بل یستحب لہا ان تتزین وتطیب وتلبس احسن ثیابہا لعل

زوجہا یراجعہا" ؎۱

اور مطلقہ رجعیہ پر حداد واجب نہیں ہے، شرح طحاوی میں ہے
بلکہ اس کے لیے زیب و زینت کرنا، خوشبو لگانا، اور اچھے اچھے
کپڑے پہننا مستحب ہے تاکہ اس کا شوہر رجوع کرلے۔"
نیز چوں کہ طلاق رجعی کی صورت میں عدت گزرنے تک عورت
پہلے ہی شوہر کی زوجیت میں باقی رہتی ہے اس لیے صراحتاً یا اشارۃً کسی مرد
کے لیے درست نہیں کہ اسے نکاح کا پیغام دے ؎۲

مطلقہ بائنہ عدت کیسے گزارے

طلاق بائن اور مغلظہ کے بعد عورت فوراً زوجیت سے نکل جاتی
ہے اور بیوی باقی نہیں رہتی ہے لہذا شوہر سے جدائی پر اظہار افسوس وغم
کے لیے اسے بناؤ سنگار اور زیب و زینت سے مکمل احتراز کرنا چاہیے، عدت
کے دوران زینت و آرائش کا کوئی سامان استعمال نہ کرے، خوشبو نہ استعمال
کرے، شوخ کپڑے نہ پہنے، زینت کے زیورات بھی استعمال نہ کرے،
کریم، پاؤڈر، سینٹ، سرمہ اور عطریات وغیرہ سے پرہیز کرے، بطور دوا

؎۱ الفتاوی التاتارخانیہ ج۴ ص۲۷۳ ؎۲ الفتاوی الهندیة ج۲ ص۱۳۸ ؎۱۳۷ -

تیل کے استعمال کی گنجائش ہو سکتی ہے[1]

نیز اسی مکان میں اپنی عدت کے ایام گزارے جس میں طلاق کا واقعہ پیش آیا ہے، کہیں دوسری جگہ نہ جائے، اگر ایک ہی مکان ہو تو اس صورت میں درمیان میں پردہ حائل کر کے عورت رہے تاکہ اجنبی کے ساتھ خلوت نہ ہونے پائے[2] دوران عدت عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے[3]

مطلقہ عورت کو عدت کے دوران نکاح کا پیغام دینا نہ تو صراحۃً جائز ہے اور نہ ہی اشارۃً جائز ہے[4]

طلاق کی عدت کا نفقہ اور عورت کی رہائش کا انتظام کرنا مرد کے ذمہ واجب ہے[5]

عدّت وفات

زمانہ جاہلیت میں عورتوں کی عدت گزارنے کے بڑے دردناک اور انسانیت سوز طریقے رائج تھے۔ جب کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جاتا تو اسے ایک تنگ و تاریک کمرے میں بند کر دیا جاتا۔ سال بھر عورت اسی کمرے میں بند رہتی اور اس کے جسم پر جانوروں کی غلاظت ڈالی جاتی۔ سال پورا ہونے پر اس کے سر پر غلاظت بھرا ٹوکرا ڈال کر گلی گلی گھومایا جاتا ـــــــ بیوہ عورتوں کو منحوس اور نامبارک سمجھا جاتا تھا، زندگی بھر کے لیے بیوگی کی حالت میں صنف نازک پر دنیا کی ساری نعمتیں حرام

---

[1] درمختار علی هامش ردالمختار ج۲ ص۵۳۲ تا ص۵۳۳۔ [2] الفتاوی التاتارخانیہ ج۴ ص۲۶۹۔
[3] ردالمحتار ج۲ ص۵۳۵۔ [4] بحوالہ بالا ج۲ ص۵۳۵۔ [5] ردالمحتار ج۲ ص۶۰۹۔

کر دی جاتی تھیں۔

ہندو مذہب میں ستی پرتھا کا ابھی بھی بعض علاقوں میں رواج ہے.
جس کی رو سے ہندو عورتیں شوہر کی "چتا" کے ساتھ اپنے کو جلا ڈالنے کو مذہبی
اور منصبی فریضہ تصور کرتی ہیں ـــــــ جب دنیا میں اسلام کی روشنی پھیلی
تو اس نے انسانیت کی طرف سے صنف نازک پر ہونے والے ان غیر انسانی
وحشیانہ مظالم کا ایک طرف سدّ باب کیا دوسری طرف مردوں کے حقوق اور
احسانات کے پیش نظر سوگ اور اظہار افسوس وغم کا نہایت ہی شریفانہ
طریقہ بتایا۔

شوہر کی وفات کی صورت میں عورت کو حکم دیا گیا کہ وہ چار ماہ دس دن
تک عدت گزار کر اپنے سوگ اور افسوس کا اظہار کرے، نیز اس بات سے
اطمینان کر لے کہ اس کے بطن میں مرنے والے شوہر کا بچہ پرورش نہیں
پا رہا ہے ـــــــ قرآن میں عدت وفات کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

"وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ

تم میں سے جن کی وفات ہو جائے اور بیویاں چھوڑ جائیں تو
وہ اپنے کو چار مہینے اور دس دن تک نکاح وغیرہ سے روکے
رکھیں"[1]

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تحد علی میت

---

[1] سورۃ بقرہ – ۲۳۴

فوق ثلاث الا علی زوجها فانہا تحد اربعۃ اشھر وعشراً[1]

مسلمان عورت جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اسے جائز نہیں ہے کہ کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ غم کرے سوائے اپنے شوہر کی موت کے کہ چار ماہ دس دن تک سوگ منائے گی۔

شوہر کی وفات کے بعد جو عدت سوگ اور اظہار افسوس کے لیے واجب ہوتی ہے وہ بالغہ اور نابالغہ دونوں پر ہے، چاہے نکاح کے بعد میاں بیوی میں یکجائی کی نوبت آئی ہو یا نہیں[2]

عدت وفات دو طرح کی ہے:

۱ ـــــ عدت وفات کی مدت ان عورتوں کے لیے جو حاملہ نہ ہوں، چاہے حائضہ ہوں یا حائضہ نہ ہوں، چار مہینے دس دن ہیں، اگر شوہر کی وفات یکم تاریخ کو ہوئی ہو تو قمری مہینے کے لحاظ سے چار ماہ دس دن عدت کے شمار ہوں گے ـــــ اور اگر مہینہ کے درمیان میں وفات ہوئی ہو تو پھر ایک سو تیس دن عدت کے شمار ہوں گے[3]

۲ ـــــ حاملہ عورتوں کے لیے عدت یہ ہے کہ ولادت ہو جائے۔ ولادت ہوتے ہی عدت پوری ہو جائے گی ـــــ سورۂ طلاق میں ہے:

"اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے"[4]

عدت وفات کے دوران بالغہ عورتوں کے لیے زیب و زینت اور بناؤ سنگار، زیور، مہندی، خوشبو، کنگھی کے ذریعہ مانگ نکالنا، بلاضرورت

---

[1] الحدیث [2] الفتاوی التاتارخانیہ ج۴ ص۵۴، خلاصۃ الفتاوی ج۲ ص۱۱۔
[3] البحر الرائق ج۴ ص۱۳۲ [4] سورۃ طلاق ـ ۴ ـ

سر میں تیل ڈالنا، اور سرمہ لگانا ممنوع ہے [1]

سر کے درد کی وجہ سے تیل اور آنکھ کی تکلیف کی وجہ سے سرمہ لگانا درست ہے، البتہ اگر رات میں سرمہ لگانا کافی ہو جائے تو دن میں نہ لگائے اور اگر سفید سرمہ کے استعمال سے ضرورت پوری ہو جائے تو سیاہ سرمہ کے استعمال سے پرہیز کرے [2]

شوہر کی وفات کے وقت عورت جس مکان میں رہا کرتی تھی، اسی مکان میں عورت کو عدت گزارنی چاہیے، البتہ کسی مجبوری کی وجہ سے دوسرے مکان میں منتقل ہو سکتی ہے، مجبوری کی صورت یہ ہے کہ مثلاً شوہر کی زندگی میں عورت جس مکان میں رہا کرتی تھی، شوہر کی وفات کے بعد اس کے ورثا اسے گھر سے نکال دیں یا اس مکان میں اسے اپنی جان یا مال کے نقصان کا خطرہ ہو، یا کرایہ کا مکان ہو، مالک مکان کرایہ طلب کرے اور اس کے پاس اتنی گنجائش نہ ہو، کہ وہ اس مکان کا کرایہ ادا کر سکے [3]

موت کی عدت کے درمیان صراحۃً نکاح کا پیغام دینا درست نہیں ہے، البتہ کنایۃً اور اشارۃً نکاح کا پیغام دینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اشارۃً نکاح کا پیغام دینے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً اس عورت کے سامنے کہے کہ میں کسی ایسی خاتون سے نکاح کرنا چاہتا ہوں جس میں یہ یہ صفات ہوں اور وہ باتیں بیان کرے جو اس عورت میں ہو۔

---

[1] البحر الرائق ج۴ ص۱۵۱ ، [2] البحر الرائق ج۴ ص۱۵۱ ، الفتاویٰ الھندیہ، ج۲، ص۱۳۷،

[3] الفتاویٰ التاتارخانیہ، ج۴، ص۷۹

[4] الفتاویٰ الھندیہ، ج۲، ص۱۳۸ ۔

قرآن میں ہے:

"ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء او اکننتم فی انفسکم علم اللہ انکم ستذکرونہن ولکن لا تواعدوہن سرًا الا ان تقولوا قولاً معروفا ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتیٰ یبلغ الکتٰب اجلہ"[۱]

جن عورتوں کے شوہر وفات پا گئے اگر ان سے پیغام نکاح کے طور پر تم اشارۃً کچھ کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ رکھو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے اللہ کو معلوم ہے کہ ان عورتوں کا دھیان تمہیں ضرور آئے گا، لیکن خفیہ طور پر کوئی عہد نہ کر لینا سوائے اس کے کہ کوئی بھلی بات کہدو، تم اس وقت تک نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرو جب تک عدت ختم نہ ہو جائے۔

عدّت وفات کے دوران عورت کو بلا ضرورت گھر سے باہر نہیں جانا چاہیے، البتہ ضرورت کی بنا پر وہ گھر سے باہر جا سکتی ہے، مثلاً یہ صورت ہو کہ وہ اپنے کھانے پینے کی ضرورت محنت ومزدوری کر کے پوری کرتی ہو یا سودے کی ضرورت ہو اور بازار سے کوئی لانے والا نہ ہو تو باہر جا سکتی ہے مگر ضرورت سے زیادہ باہر نہ ٹھہرے، اور رات اپنے گھر آکر گزارے، اس طرح کہ رات کا اکثر حصّہ گھر پر گزرے[۲]

عورت کو عدت اسی مکان میں گزارنی ہوگی جو اسے شوہر کی طرف سے ملا تھا، اگر عورت اپنے میکہ یا اور کہیں گئی ہو اور وہاں اپنے شوہر کی وفات

---

[۱] البحر الرائق ج ۴/۱۵۳ ، [۲] الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۴/۲۹ ، البحر الرائق ج ۴/۱۵۴ ۔

یا طلاق دیئے جانے کا علم ہو تو اسے فوراً واپس آجانا چاہیے اور شوہر کے دیئے ہوئے مکان میں عدت گزارنی چاہیے ـــــ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

"ولو طلقها وهی غائبة کان علیها أن تعود إلی منزلها فتعتد فیه"[۱]
اور اگر عورت کو طلاق اس حالت میں دی گئی کہ وہ وہاں موجود نہیں تھی تو اس کو ضروری ہوگا کہ وہ واپس اپنے گھر آجائے اور اسی گھر میں عدت گزارے"

طلاق کی عدت کی حالت میں عورت کے لیے سفر کرنا درست نہیں ہے، چاہے وہ سفر حج اور عمرہ ہی کی خاطر کیوں نہ ہو، اور نہ شوہر کے لیے جائز ہے کہ اسے اپنے ساتھ سفر میں لے جائے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

"للعتدة لا تسافر لحج ولعمرة ولا یسافر بها زوجها عندنا"[۲]
ہمارے نزدیک معتدہ حج اور عمرہ کی خاطر سفر نہیں کرے گی اور نہ شوہر اپنے ساتھ اسے سفر میں لے جا سکتا ہے"

البحر الرائق میں ہے:

"ولیس للزوج المسافرة بالمعتدة ولو عن رجعی"[۳]
شوہر کے لیے معتدہ کو اپنے ساتھ میں لے جانا درست نہیں ہے چاہے وہ طلاق رجعی ہی کی عدت کیوں نہ گزار رہی ہو"

اگر عورت طلاق بائن یا مغلظہ کی عدت گزار رہی ہو اور اسی دوران اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو عورت صرف طلاق ہی کی عدت پوری کرے گی، اور اگر طلاق رجعی کی عدت میں شوہر کا انتقال ہوا ہو تو اب اسے اس وقت

---

[۱] الفتاویٰ التاتارخانیہ ج۴ ص۲۶۹، البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴۔ [۲] الفتاویٰ التاتارخانیہ ج۴ ص۲۶۸۔
[۳] البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴۔

سے موت کی عدت پوری کرنی چاہیے [1]

زانیہ کی عدّت

طلاق اور وفات کی صورت میں شریعت اسلامی نے سابق رشتہ کے احترام اور شوہر سے جدائی پر اظہار افسوس و غم کے لیے عورت پر عدت واجب کی ہے، اور زنا ایک بدترین گناہ اور ناجائز عمل ہے، اس لیے شریعت نے زنا کی کوئی عدت مقرر نہیں کی ہے یہاں تک کہ اگر عورت جو زنا کے ذریعہ حاملہ ہو وہ اس حالت میں بھی نکاح کر سکتی ہے، البتہ اگر اس نے اسی زانی سے نکاح کیا ہے تو وہ کسی انتظار اور مہلت کے بغیر اس سے ہمبستری کر سکتا ہے اور اگر کسی دوسرے شخص نے نکاح کیا ہو تو اس صورت میں نکاح تو درست ہو گا مگر مباشرت اس وقت تک جائز نہیں ہو گی جب تک کہ ولادت نہ ہو جائے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"لا تجب العدة على الزانية" [2]

---

[1] خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲، ص ۷۔ [2] فتاویٰ ہندیہ، ج ۲، ص ۱۳۲۔

حضانت

تمہید اسلام ایک ایسا اسلامی، صالح معاشرہ تشکیل کرتا ہے جو تمام اخلاقی، سماجی اور معاشرتی خرابیوں سے پاک اور صاف ستھرا ہو، اور جس کا ہر فرد ایک دوسرے کا ہمدرد، غمگسار اور ایک دوسرے کے رنج وغم میں برابر کا شریک ہو، اس لیے اسلام نے انسان کی اصلاح اور ذہنی وفکری تربیت پر خصوصی توجہ دی ہے، اور اس سلسلہ میں مکمل ہدایات دی ہے، انسان اپنے عہدِ طفولیت میں ذہنی وفکری تربیت اور اخلاق وکردار سازی کا زیادہ محتاج ہوتا ہے، اسی وقت کی تعلیم وتربیت پر انسان کے مستقبل کا انحصار ہوتا ہے بچپنے کی تعلیم وتربیت ہی انسان کے مستقبل کو روشن وتابناک بناتی ہے، اور بچپنے کی تعلیم وتربیت کے فقدان سے اس کا مستقبل تباہ وبرباد ہو جاتا ہے ـــــ بچے قوم وملت کے عظیم سرمایہ اور مستقبل کے معمار ہیں، اس لیے اسلام نے والدین اور ذمہ دار افراد کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ اچھے ماحول اور پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر کی خاطر بہتر سے بہتر انداز میں اپنے بچوں کی تربیت کریں، اور ان کی اصلاح وتربیت اور اخلاق کی درستگی کی بھرپور کوشش کریں، ایسا نہ ہو کہ ان کی ادنیٰ بے توجہی اور غفلت بچے کے مستقبل کی تباہی کا باعث اور پیش خیمہ بن جائے۔

حضانت کا شرعی مفہوم

بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری والدین پر ڈالی گئی ہے، اور اس کے وہ عنداللہ جوابدہ بھی ہیں ـــــ لیکن اگر کسی وجہ سے والدین کے مابین طلاق و تفریق کے ذریعہ علیحدگی کی نوبت آجائے تو اس صورت میں بچوں کی تربیت و پرداخت کون کرے گا، اس سلسلہ میں اسلام نے تفصیلی ہدایات دی ہیں، شریعت کی اصطلاح میں بچوں کی پرورش کے حق کو "حضانت" کہا جاتا ہے، حضانت کے معنیٰ تربیت اور پرورش کے آتے ہیں[1]

حقِ حضانت اوّلاً ماں کو حاصل ہے

اس سلسلہ میں جمہور علماءِ امت کا اتفاق ہے کہ طلاق و تفریق کی صورت میں جب کہ میاں بیوی کے مابین علیحدگی ہو جاتی ہے۔ تو بچوں کی پرورش کا حق سب سے پہلے "ماں" کو ملتا ہے جو اپنے بچوں کے ساتھ فطری شفقت و محبت کی وجہ سے پرورش کا زیادہ حق رکھتی ہے ماں کو یہ حق اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک کہ وہ:

۱ ـــــ اپنے حق سے دست بردار نہ ہو جائے۔

۲ ـــــ یا کسی ایسے مرد سے شادی نہ کرلے جو اس بچے کے حق میں اجنبی اور غیر محرم ہے، اگر اس بچے کے محرم رشتہ دار مثلاً اس کے چچا سے عورت

---

[1] المنجد فی اللغۃ والادب العلوم ص ۱۳۹

شادی کر لیتی ہے تو اس کا حق ساقط نہیں ہوگا[1]

امام بیہقی نے السنن الکبریٰ میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے نقل کیا ہے:

"ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے، جس کے لیے میرا پیٹ ظرف، میری چھاتی مشکیزہ اور میری گود پناہ گاہ تھی، اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی اور اب اس بچے کو مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو اپنے بچہ کی زیادہ مستحق اور حقدار ہے جب تک کہ تو (دوسرا) نکاح نہ کر لے"[2]

اس قسم کے متعدد واقعات عہد نبوت میں پیش آئے اور آپ نے ماؤں کو بچوں کی پرورش اور تربیت کا مستحق قرار دیا[3]

ماں کے بعد حضانت کس کا حق ہے

ماں کے نہ ہونے یا حق حضانت سے دست بردار ہونے یا بچے کے غیر محرم سے شادی کرنے کی صورت میں بچے کی پرورش کا حق علی الترتیب درج ذیل رشتہ داروں کو ملے گا:

۱ ـــــ نانی، نانی میں پڑنانی اوپر تک شامل ہے۔

---

[1] البحر الرائق ج۴/ص۱۶۷۔ [2] السنن الکبریٰ ج۸، ص۴-۵ مطبوعہ حیدرآباد دکن، [3] سنن ابوداؤد ج۱/ص۵۰۳، مطبوعہ کراچی۔ سنن نسائی ج۲/ص۹۳۔

۲ — دادی، پڑدادی اوپر تک۔

۳ — حقیقی بہن۔

۴ — ماں شریک بہن۔

۵ — باپ شریک بہن۔

۶ — خالائیں، یعنی ماں کی بہنیں، بہنوں کی طرح خالاؤں میں بھی یہی ترتیب ہوگی کہ پہلے حقیقی خالہ مستحق ہوگی، پھر ماں شریک پھر باپ شریک۔

۷ — پھوپھیاں، باپ کی بہن، اس میں بھی یہ ترتیب ہوگی کہ اولاً حقیقی پھوپھی مستحق حضانت ہوگی، پھر ماں شریک پھر باپ شریک۔

جب حضانت کی مستحق عورتوں میں سے کوئی عورت موجود نہ ہو، یا اس کے لیے آمادہ نہ ہو تو پھر مردوں کو بہ ترتیب عصوبت حق حضانت حاصل ہوگا[1]

عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں ذوی الارحام کو علی الترتیب حق حضانت حاصل ہوگا[2]

لڑکی کی حضانت کے موقع پر عصبات میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا کہ وہ دیانتدار، امانت دار ہو۔ فاسق یا خائن ہونے کی صورت میں اس کو حق حضانت نہیں ملے گا، اسی طرح عصبات کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے[3]

کس عمر تک بچوں پر حق حضانت حاصل رہے گا | حنفیہ کا مسلک

---

[1] البحر الرائق ج ۴ صفحہ ۱۸۲، فتح القدیر ج ۳ ص ۱۸۴ ص ۱۶۵، خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۵۲ [2] درمختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۴۵ [3] بدائع الصنائع ج ۴ ص ۴۳ مصری۔

یہ ہے کہ جب لڑکا خود کھانے، پینے، کپڑے پہننے، استنجاء کرنے اور طہارت حاصل کرنے کے قابل ہوجائے تو اس کی پرورش کا حق ماں سے باپ کی طرف منتقل ہوجائے گا، اور لڑکا ماں سے لے کر باپ کے حوالہ کر دیا جائے گا۔

امام خصاف نے لڑکے کے اس حالت تک پہنچنے کی عمر کا اندازہ سات سال کی عمر سے لگایا ہے کہ عموماً اس عمر میں لڑکا اپنے ہاتھ سے کھانے، پینے اور لباس پہننے اور طہارت حاصل کرنے لگتا ہے، اور ماں کی رہنمائی کا محتاج نہیں رہتا ہے۔ فقہاء نے امام خصاف کے قول پر فتویٰ دیا ہے[1] فتاویٰ تاتارخانیہ میں کافی کے حوالہ سے لکھا ہے:

"وفی الکافی: والفتویٰ علیٰ سبع سنین"[2]

البتہ لڑکی کے بالغ ہونے تک ماں کو اس پر پرورش کا حق حاصل رہتا ہے، ماں اور نانی کے علاوہ دیگر عورتوں کو لڑکی میں نفسانی خواہش کے ظاہر ہونے تک حق حضانت حاصل رہتا ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک ماں اور نانی کو بھی لڑکی کے اندر خواہش نفسانی کے ظاہر ہونے تک حق حضانت حاصل رہتا ہے، متاخرین فقہائے احناف نے فساد زمانہ کی وجہ سے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے[3]

مدت حضانت میں بچہ کا نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا حضانت کے دوران

---

[1] ردالمحتار ج۲ ص۵۶۶ - البحرالرائق ج۴ ص۱۶۹ ، [2] الفتاویٰ التاتارخانیہ ج۴ ص۹۰ -

لڑکے اور لڑکی کی ذات پر ہونے والے جملہ اخراجات باپ کے ذمہ ہوں گے اس کے علاوہ حضانت کی اجرت اور رضاعت (دودھ پلانے) کی اجرت بھی باپ پر واجب ہوگی۔

چنانچہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

"فعل هذا يجب على الاب ثلاثة: اجرة الرضاع واجرة الحضانة ونفقة الولد" [1]

[1] ردالمحتار، ج ۲، ص ۵۶۲

ضمیمہ
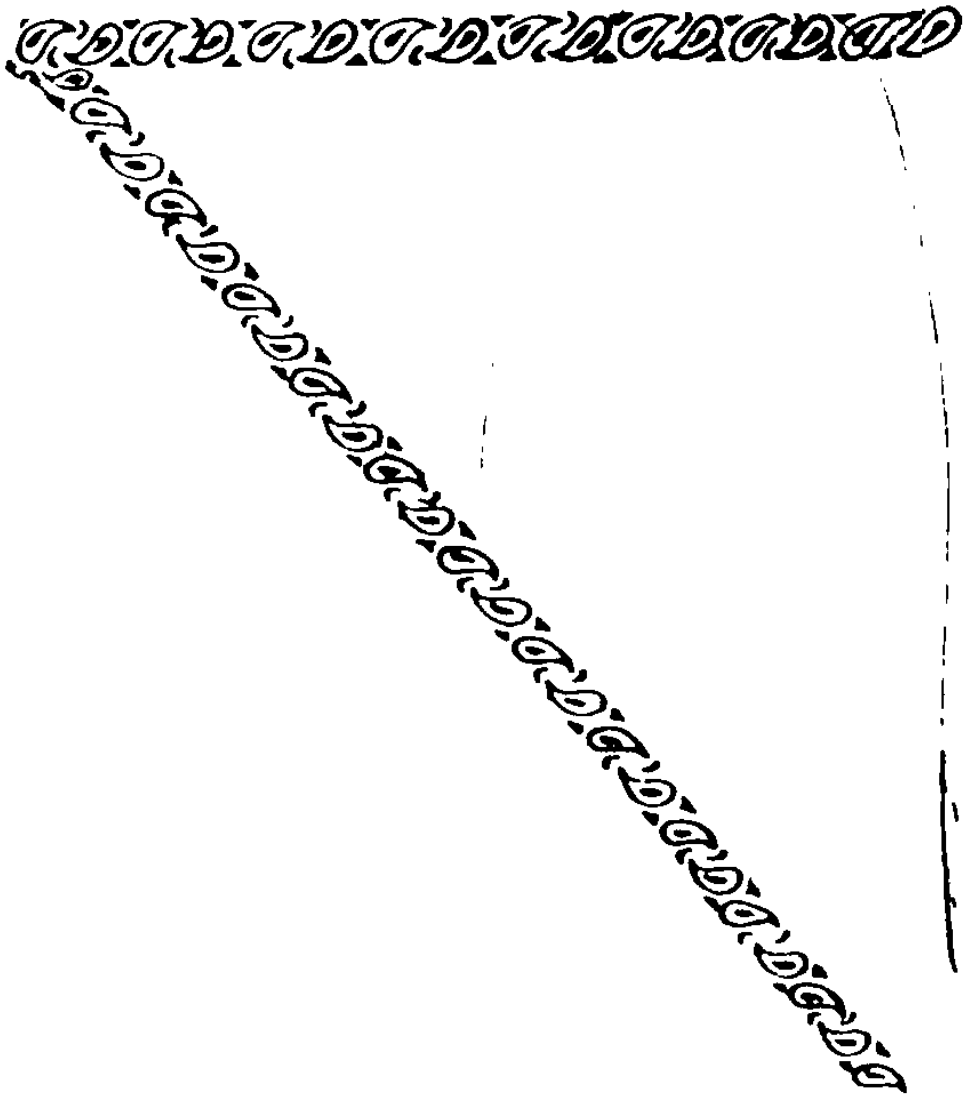
ایک مجلس میں تین طلاق کا شرعی حکم

دین اسلام ایک کامل و مکمل دین ہے جس کی جامعیت کا اعتراف غیر مسلم مورخوں نے بھی کیا ہے۔ مذہب اسلام میں انسان کی زندگی کے مختلف اور متنوع و متضاد گوشوں پر مکمل ہدایت دی گئی ہیں۔ انسانی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ اور گوشہ نہیں ہے جس میں مذہب اسلام کی رہنمائی و ہدایت نہ ملتی ہو۔ دوسرے مذاہب و ادیان کی طرح اسلام نے اپنے متعلقہ گوشوں کو شتر بے مہار کی طرح آزاد نہیں چھوڑا کہ جس طرح وہ چاہیں خواہشات و اہواء کی ترجمانی کرتے رہیں اور حدود خداوندی اور محارم الٰہی کے تعبیروں سے کھیلتے رہیں اور قوانین خداوندی کو پامال کرتے رہیں۔ انسان کی زندگی کے کسی موڑ اور مرحلہ میں کسی ایسی الجھن و پریشانی میں مبتلا نہیں ہوتا ہے جس میں اسلام نے اس کی دستگیری اور رہنمائی نہ کی ہو۔ عقائد و عبادات، معاملات، معاشیات اور سیاسیات کے سبھی گوشوں پر حسب ضرورت روشنی نہ ڈالی ہو۔ دنیا کے کسی بھی مذہب و ملت کا سرمایہ نہیں ملتا جو کہ جامعیت و کاملیت میں اسلام کے ہم پایہ ہو تو کیا اس کا عشر عشیر بھی ثابت ہو سکے۔

[illegible] غیر مسلموں کی [illegible] ترین [illegible] حق مذہب کو اپنانے [illegible]

زندگی میں اسے نافذ اور جاری کرنے اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنے سے مسلمان جی چراتے اور شرماتے ہیں جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مغربی تہذیب و تمدن اور افکار و خیالات کی نحوست نے ان کے دل و دماغ کے دریچوں کو بند اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اس لیے آئے دن اسلام کی نت نئی تعبیریں اور تشریحیں کی جاتی ہیں اور اسلامی افکار و خیالات اور مذہبی دستور واساس کو اپنی نارسا عقل کا غلام اور رفتار زمانہ کے تابع قرار دینے کی بیجا تگ و دو کی جا رہی ہے۔

انسان کی زندگی میں ایک مرحلہ نکاح کا بھی آتا ہے جس کے بارے میں قرآن و حدیث میں واضح احکام و ہدایات دی گئی ہیں اور مختلف احادیث میں اس کی ترغیب دی گئی ہے، کہیں اس پاکیزہ رشتہ کو نصف دین سے تعبیر کیا گیا ہے[1]۔ اور کہیں نکاح کی صلاحیت کے باوجود اس سے اعراض پر سنت سے اعراض کرنے کی سخت وعید سنائی گئی[2] اور کہیں لسانِ نبوتؐ سے یہ ارشاد فرمایا گیا، چار چیزیں انبیاء کرام کی پسندیدہ سنتوں میں سے ہیں، حیا کرنا، خوشبو لگانا، نکاح کرنا اور مسواک کرنا[3]

غرضیکہ تکمیل انسانیت میں نکاح اور ازدواجی زندگی کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور جب نکاح کرنا اور شرعی دائرہ میں رہ کر میاں بیوی کا گہرا ربط و تعلق، رضائے مولیٰ، اتباع شریعت اور تکمیل انسانیت کا ایک بہترین ذریعہ ہے تو اس پاکیزہ رشتہ اور تعلق کو توڑنا بھی اس انداز کا ناپسندیدہ اور مبغوض امر ہوگا، جس قدر

---

[1] مشکوٰۃ ج ۲، ص ۲۶۸ [2] بخاری شریف ج ۱، ص ۱۵۸ [3] الجامع الصغیر ج ۱، ص ۳۷۔

کہ وہ محبوب ہے چنانچہ صحابئ رسول حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں، کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال اور مباح کی ہیں ان میں طلاق سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ اور کوئی چیز نہیں ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق[1]"

ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

"عن محارب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احل اللہ شیأ ابغض من الطلاق[2]"

دونوں حدیثوں کا مفہوم ایک ہے کہ طلاق سے زیادہ حلال چیزوں میں کوئی چیز عنداللہ مبغوض نہیں ہے[3]۔

طلاق ناپسندیدہ عمل ہے

ان ارشادات نبویؐ سے معلوم ہوا کہ طلاق باوجود حلال و جائز ہونے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض ترین چیز ہے اور بلا وجہ طلاق دینے پر حق تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ جس عورت نے بلا کسی مجبوری اور ضرورت شرعی کے اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ جنت کی

---

[1] مشکوٰۃ ص۲۸۳، ابوداؤد ص۲۹۶ ج۱ [2] ابوداؤد [3] الجامع الصغیر ص۴۲ ج۲، المستدرک ص۱۹۶ ج۲۔

خوشبو بھی حرام کر دیتا ہے[1]۔

مگر بعض حالات ایسے بھی پیش آجاتے ہیں کہ جن میں انسان اپنی خوشگوار اور پرلطف ازدواجی زندگی اور نکاح جیسا پاکیزہ رشتہ توڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ اور خراب ہو جاتے ہیں، چین و سکون کے بجائے پریشانی اور اضطراب کے دونوں شکار ہو جاتے ہیں، ان دونوں کو اس بات کا اندیشہ ہونے لگتا ہے کہ دونوں اللہ کے حدود کی رعایت نہیں کر پائیں گے، ایسے ناگزیر حالات میں مذہب اسلام نے طلاق کی اجازت دی ہے، طلوع اسلام سے قبل دور جاہلیت میں سو سو بلکہ ہزار تک طلاقیں دیکر رجوع کرنے کا دستور تھا، مگر مذہب اسلام نے اس نا روا طریقہ کے ذریعہ عورتوں پر ہونے والے مظالم کا سدباب کیا اور طلاق کی ایک حد متعین کردی اور بیوی کے مغلظہ ہونے کو تین طلاقوں پر منحصر کر دیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

" اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ الیٰ قولہ تعالیٰ: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ[2] ـــــــ طلاق رجعی ہے دو بار تک اس کے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے، پھر آگے ارشاد ہے۔ پھر اگر اس عورت کو طلاق دی یعنی تیسری بار، تو اب حلال نہیں، اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نکاح نہ کرے

---

[1] مشکوٰۃ ص۲۸۳ ۔ الجامع الصغیر ص۱۳۷ ج۱ ۔ [2] سورۂ بقرۃ: رکوع ۱۲ ۔

کسی خاوند سے اس کے سوا، (ترجمہ شیخ الہند)

اس کا حاصل یہ ہے کہ دو طلاق دینے تک مرد کو یہ اختیار ہے کہ اپنی بیوی کو دستور کے مطابق رجعت کرکے رکھ لے، پھر اگر اس نے تیسری طلاق بھی دیدی، تو اب اسے رجعت کرنے کا شرعاً حق حاصل نہیں اور وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہوگی تاوقتیکہ وہ عدت گزارنے کے بعد کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے (پھر وہ خاوند فوت ہو جائے یا اپنی مرضی سے اسے طلاق دیدے اور عدت گذر جائے، اس حد تک ائمہ مجتہدین اور اکابر امت متفق ہیں، البتہ طلاق اور اس کے بعد رجعت کی بعض صورتوں میں کچھ اختلافات بھی ہیں، مگر اس مختصر مضمون میں صرف دو مسئلوں پر گفتگو کی جائے گی،

۱۔۔۔۔ اس مسئلہ میں امت کا اختلاف ہے کہ ایک مجلس اور ایک کلمہ سے تین طلاقیں دینا شرعاً جائز اور مطابق قرآن وحدیث ہے یا خلاف سنت اور بدعت وضلالت ہے؟ بعض ائمہ دین جن میں امام شافعی، امام بخاری اور امام بیہقی وعلامہ ابن حزم اندلسی وغیرہم ہیں، اس بات کے قائل ہیں، کہ جس طرح ایک ساتھ دو طلاقیں دینا جائز اور سنت کے مطابق ہے اسی طرح ایک مجلس اور ایک کلمہ سے تین طلاقیں دینا بھی جائز اور سنت کے موافق ہے، ان کے علاوہ حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام اوزائی، امام لیث بن سعد وغیرہم فرماتے ہیں، کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا غیر مستحسن اور مکروہ و بدعت ہے مگر طلاق پڑ جائے گی، اور عورت حرمت مغلظہ کے ساتھ اپنے شوہر پر حرام ہو جائے گی، علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقوں کو جمع کرنا ہمارے ائمہ شوافع کے نزدیک حرام و مکروہ نہیں البتہ بہتر اور افضل

یہ ہے کہ تین طلاقیں الگ الگ متفرق طور پر دینی چاہئیں۔ امام احمد بن حنبل اور امام ابو ثور بھی اسی کے قائل ہیں، امام مالک، امام اوزاعی، امام ابو حنیفہ اور امام لیث کہتے ہیں کہ اس طرح بیک وقت تین طلاقیں دینا مکروہ اور بدعت ہے[۱] مگر مکروہ اور بدعت ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص بیک وقت ایک مجلس میں ایک کلمہ سے تین طلاقیں دیدے تو ان حضرات کے نزدیک بھی تینوں طلاقیں واقع ہو کر عورت مغلظہ ہو جائے گی، اور بغیر حلالہ کے پہلے شوہر کے حق میں حلال نہیں ہو گی البتہ اس سلسلے میں ایک تیسرا نقطۂ نظر بعض حضرات کا یہ ہے، کہ سرے سے یہ طلاقیں واقع ہی نہ ہوں گی، کیوں کہ اس طرح طلاقیں دینا شرعاً ناپسندیدہ اور بدعت ہے اور جو چیز خلاف سنت ہو اس کا وقوع و نفاذ کیسے؟ رافضیوں کا بھی یہی نظریہ ہے۔ جو لوگ اسے غیر مستحسن و بدعت قرار دیتے ہیں ان کا استدلال حضرت محمود بن لبید کی روایت سے ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں:

"اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأتہ ثلاث تطلیقات جمیعا فقام غضبانا ثم قال ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظہرکم حتی قام رجل وقال یا رسول اللہ الا اقتلہ"[۲] ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدی ہیں، تو آپ غصے میں اٹھ کھڑے ہوئے پھر ارشاد فرمایا کہ کیا میری موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی

---

[۱] شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷۶ ۔ [۲] نسائی ج ۲ ص ۹۲ ۔

کتاب سے کھیلا جاتا ہے یہ ارشاد سن کر مجمع میں سے ایک شخص
کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ حضرت کیا میں اس شخص کا کام تمام نہ کر دوں"

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا پسندیدہ اور مستحسن امر نہیں ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو اس واقعہ پر اس قدر ناراض ہوتے اور نہ یہ ارشاد فرماتے کہ میری موجودگی میں اللہ کی کتاب سے کھیلا جارہا ہے، البتہ آپؐ نے اس ناراضگی و خفگی کے باوجود تینوں طلاقوں کو نافذ بھی فرمادیا تھا، چنانچہ ابوداؤد شریف میں حضرت سہل بن سعد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فانفذہٗ صلی اللہ علیہ وسلم"[1] ــــــ "کہ حضرت عویمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں اور آپؐ نے ان کو نافذ کر دیا"۔

جو حضرات بیک وقت ایک کلمہ سے تین طلاقوں کو جائز اور موافق سنت سمجھتے ہیں وہ اپنے استدلال میں نص قرآنی بھی پیش کرتے ہیں، چنانچہ علامہ ابومحمد ابن حزم الظاہری الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ محلی میں لکھتے ہیں:

"ثم وجدنا من حجة من قال ان الطلاق الثلاث مجموعة سنة لا بدعة، قول الله تعالى: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ، فهذا يقع على الثلاث مجموعة

---

[1] ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۶ ۔

ومتفرقة ولا یجوز ان یخص بهذه الآیة بعض ذالک
دون بعض بغیر نص[1] ـــــــ پھر ہم نے ان لوگوں کی جو
یک وقت تین طلاقوں کو بدعت نہیں کہتے بلکہ سنت سمجھتے
ہیں یہ دلیل پائی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے سو اگر اس نے
اپنی بیوی کو تیسری طلاق بھی دیدی تو وہ اس کے لیے
حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے
آیت کریمہ کا یہ مضمون ان تین طلاقوں پر بھی صادق آتا ہے جو
اکٹھی ہوں، اور ان پر بھی جو متفرق طور پر دی گئی ہوں اور بغیر کسی
نص کے اس آیت کو تین اکٹھی طلاقوں کو چھوڑ کر صرف متفرق
طلاقوں کے ساتھ خاص کر دینا صحیح نہیں ہے"

علامہ ابن حزم کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح
متفرق طور پر تین طلاقیں اس آیت کریمہ کے مفہوم میں داخل ہیں اور جس طرح
متفرق طور پر دی گئی تین طلاقوں کے وقوع و نفاذ میں کسی کا اختلاف نہیں
اور نہ اس کے جائز و مطابق سنت ہونے میں کوئی کلام ہے، بعینہ اسی طرح
ایک بار دی گئی تین طلاقوں کا حکم بھی اس آیت کے مفہوم میں داخل ہے،
اور اس کے موافق سنت اور جائز ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

ان حضرات کا دوسرا استدلال حضرت عویمر بن ابیض العجلانی کی
حدیث سے ہے کہ جب انہوں نے اپنی بیوی خولہ بنت قیس سے رسول اکرم

---

[1] محلی ج ۱ ص ۲۰۰۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لعان کیا تھا تو اس کے بعد فرمایا تھا:

"قال عویمر کذبت علیہا یا رسول اللہ ان امسکتہا فطلقہا ثلاثا قبل ان یامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم"[1]

حضرت عویمر نے فرمایا! یا رسول اللہ اگر اس کے بعد بھی اس عورت کو اپنے پاس رکھوں اور بیوی بنا کر رکھوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹی تہمت باندھی تھی، پس انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم صادر فرمانے سے پہلے ہی اس کو تین طلاقیں دے دیں"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دفعۃً تین طلاقیں دینے سے واقع ہو سکتی ہیں، کیونکہ حضرت عویمر نے بیک وقت تین طلاقیں دیدیں، اور اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر نہیں فرمائی، اگر ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا ناجائز و حرام ہوتا تو آپ اس پر ہرگز خاموشی اختیار نہ فرماتے بلکہ سختی سے اس سے منع فرماتے، اور کسی کام کے ہوتے وقت شارع علیہ السلام کا خاموش رہنا اس کے جواز کی دلیل فراہم کرتا ہے جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

ایک مجلس کی تین طلاقیں

اس بارے میں دور صحابہ سے لیکر آج تک پوری امت بشمول

---

[1] بخاری ج ۲/ص ۷۹۱، مسلم ج ۱/ص ۴۸۹۔

ائمہ اربعہ حضرت امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، جمہور تابعین وصحابہ اور کبار ائمہ امت کا مسلک یہ رہا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی طلاق شمار ہوتی ہے، اور بیوی شوہر پر حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہو جاتی ہے، کتاب وسنت کی نصوص وتصریحات اور ائمہ مجتہدین کے اقوال وارشادات سے اسی مسلک کی تائید وترجمانی ہوتی ہے، علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم الجوزی جمہور امت کے مسلک کے خلاف اس بات کے قائل ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاق صرف ایک طلاق رجعی ہوتی ہے، اور دوران عدت شوہر کو بیوی سے رجعت کر لینے کا حق حاصل رہتا ہے جمہور کے مسلک کے دلائل اور ابن تیمیہ کے دلائل کا تجزیہ آئندہ سطور میں پیش کیا جا رہا ہے۔

جمہور کا استدلال قرآن سے

جمہور علماء امت ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے ہیں، صرف بعض لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ ان تینوں طلاقوں سے ایک طلاق رجعی پڑے گی، مگر جمہور کے دلائل وبراہین کی روشنی میں اس قول کی کوئی حیثیت اور وزن معلوم نہیں ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ سطور سے معلوم ہو جائے گا۔

جمہور کا پہلا استدلال قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے ہے:

"فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ .."

قال الشافعی فالقرآن واللہ اعلم یدل علی ان من طلق زوجۃ لہ دخل بہا او لم یدخل بہا ثلاثا لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ[1] ـــــــ پس اگر اس نے اس کو اور طلاق دیدی تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی مرد سے نکاح نہ کرے، حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ قرآن کریم کا ظاہر امر پر دلالت کرتا ہے، کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، عام اس سے کہ اس نے اس سے ہمبستری کی ہو یا نہ کی ہو، تو وہ عورت اس شخص کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے،،

اور اس سے پہلے علامہ ابن حزم کی عبارت گزر چکی کہ آیت کریمہ کا یہ مضمون ان تین طلاقوں پر صادق آتا ہے جو اکٹھی ہوں اور ان پر بھی جو متفرق دی گئی ہوں پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح تین طلاقیں متفرق طور پر دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، اسی طرح تین طلاقیں دفعۃً دینے سے بھی واقع ہو جاتی ہیں، چنانچہ مشہور عالم دین مولانا عبدالحی لکھنوی مجموعہ فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کا اسی امر پر اہتمام کرنا اور تینوں طلاقوں کے وقوع کا حکم دینا اگرچہ ایک مجلس میں ہوں، صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے اور یہی قول موافق ظاہر قرآن کا ہے[2]۔

---

[1] ... الام ج ۵ ص ۱۶۵ ۔ [2] مجموعہ فتاویٰ ج ۱ ص ۴۹۵

_____ اسی طرح غیر مقلدین کے امام و پیشوا مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ حکم (کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں) قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے[1]

الغرض ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین قرار دینا اس آیت کریمہ سے ثابت ہے اور جمہور کا اس سے استدلال و احتجاج بالکل صحیح اور درست ہے اس کے علاوہ قرآن کریم کی دیگر بعض آیات سے بھی جمہور کے مذہب کی تصویب و تائید ہوتی ہے، مثلاً :

(۱) "وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ اِلخ"

(۲) "وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ"

(۳) "وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ"

ان آیات کریمہ میں ایک دو اور تین طلاق کے واقع کرنے کی تفریق نہیں کی گئی، لہذا اگر بیک وقت تین طلاقیں بھی دیدی گئیں تو وہ سب واقع ہو جائیں گی، اور یہی ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا مذہب ہے۔

جمہور کا استدلال احادیث سے (حدیث ۱)

آیات قرآنیہ کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جن سے جمہور کا مسلک ثابت ہوتا ہے ان احادیث میں سے ایک حدیث وہ ہے جسے حضرت امام احمدؒ نے سہل بن سعد سے اپنی مسند میں بھی روایت کیا ہے۔ اور علامہ

---

[1] اخبار اہل حدیث ۱۹۲۹ء

شوکانی نے نیل الاوطار میں اسے ذکر کیا ہے، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عن سہل بن سعد قال لما لاعن اخو بنی عجلان امرأته قال یارسول اللہ ظلمتها ان امسکتها هی الطلاق هی الطلاق هی الطلاق"[1] ــــــ حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ جب بنی عجلان کے ایک شخص نے اپنی بیوی سے لعان کیا تو کہا یارسول اللہ اگر اس کے بعد بھی اس عورت کو اپنے پاس روکوں تو گویا زنا کی تہمت لگا کر میں نے اس پر ظلم کیا، اس پر طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے"۔

اور حضرت عویمر کا یہی واقعہ صحیح بخاری شریف میں بھی منقول ہے، مگر اس کے الفاظ یہ ہیں:

"قال عویمر کذبت علیها یارسول اللہ ان امسکتها فطلقها ثلاثا قبل ان یامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم"[2]

حضرت عویمر نے فرمایا یارسول اگر اس کے بعد بھی اس عورت کو اپنے پاس روکوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹی تہمت باندھی تھی، پس انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم صادر فرمانے سے پہلے اس کو تین طلاقیں دیدیں"۔

ان دونوں صحیح اور صریح روایتوں سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس اور ایک کلمہ سے دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں، کیونکہ حضرت عویمر نے ایک ہی مجلس

---

[1] نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۵۶۔ [2] بخاری ج ۲ ص ۷۹۱، وکذا فی مسلم ج ۱ ص ۴۸۵۔

میں اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں دیدی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ سکوت فرمایا! اگر ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع نہ ہوتیں تو آپ اسے ضرور ظاہر فرما دیتے، اور اس پر سکوت فرما کر اپنی رضا اور وقوع طلاق کا جواز ہرگز فراہم نہیں کرتے۔

حدیث ۲

جمہور کا تیسرا استدلال صحابی رسول حضرت محمود بن لبیدؓ کی روایت سے ہے جو اس سے قبل گزر چکی ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرمؐ کے سامنے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں تو آپؐ نے انہیں ایک ہی قرار دیا، یہ الگ بات ہے کہ اس طرح دفعۃً تین طلاقیں دینا غیر مستحسن ہے، اس لیے آپؐ نے اس پر اپنی ناراضگی کا بھی اظہار فرمایا، مگر اس ناراضگی کے باوجود انہیں تین ہی قرار دیا، پس اگر تین طلاقیں دینا حرام قطعی اور شرعاً غیر معتبر ہوتا ہے تو آپؐ اُن کو ہرگز جاری نہ فرماتے، بلکہ اسے رد فرما دیتے، مگر رد کا کوئی لفظ ذخیرۂ حدیث میں موجود نہیں لہٰذا یہ حدیث بھی مسلک جمہور پر نص قاطع ہے۔

حدیث ۳

جمہور کے مذہب کی چوتھی دلیل حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے وہ ارشاد فرماتی ہیں:

"ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق [illegible] النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتہا کماذاقہا الاول"[۱] ـــــ ایک شخص نے اپنی عورت کو تین

[۱] بخاری ج۲، واللفظ لہ، مسلم ج۱ ص۴۶۳، لذا فی السنن الکبری ج۲ ص۳۳۳

طلاقیں دیدیں، پھر اس عورت نے کسی اور سے نکاح کیا. اور اس نے ہمبستری سے پہلے اسے طلاق دیدی. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا، کہ کیا وہ عورت، اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں جب تک کہ دوسرا خاوندان سے ہمبستری نہ کرے اور لطف اندوز نہ ہو جائے۔ جیسا کہ پہلا ہوا تھا..

اس حدیث میں "طلق إمرأته ثلاثا" کا جملہ بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی اور دفعۃً دی گئی تھیں، چنانچہ حافظ حدیث محقق ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں، کہ حدیث کا مذکورہ جملہ اسی کا مقتضی ہے کہ تینوں طلاقیں اکٹھی اور دفعۃ دی گئی تھیں[1] حدیث کا یہی مفہوم حافظ بدرالدین عینی حنفی نے بھی بیان فرمایا ہے[2] صاحب ارشاد الساری حدیث مذکورہ کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وھذا عام یتناول ایقاع الثلاث دفعة واحدة وقد دلت الآیة علی ذٰلك من غیر نکیر خلافا لمن لم یجز ذٰلك"[3]

یہ عام ہے دفعۃً تین طلاقوں کے واقع کرنے کو بھی شامل ہے اور آیت قرآنی بھی اس پر دلالت کرتی ہے اور اس میں کسی کا انکار منقول نہیں بجز ان حضرات کے جو اسے جائز ہی نہیں سمجھتے یہ روایت بھی مذہب جمہور پر دلالت کرتی ہے۔

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۱ [2] عمدۃ القاری ج ۹ ص ۵۳۷ [3] ارشاد الساری شرح بخاری ج ۸ ص ۱۲۵

حدیث ۴

جمہور کی پانچویں دلیل حضرت معاذ بن جبل کی روایت ہے، جیسے دارقطنی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت محمد بن مخلد سے روایت کیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عن محمد بن مخلد قال سمعت معاذ بن جبل یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یا معاذ من طلق البدعۃ واحدۃ او اثنین او ثلثا الزمناہ"[۱] ——— حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اے معاذ جس نے طلاق بدعی دی چاہے وہ ایک ہو یا دو ہو یا تین ہم اسے لازم کر دیں گے۔"

حضرت معاذ بن جبل کی مذکورہ روایت سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص بیک وقت اور دفعۃً تین طلاقیں دے تو وہ بھی واقع اور لازم ہو جائیں گی، البتہ اس طرح اکٹھی تین طلاقیں دینے کا گناہ ہوگا، مگر اس سے ان کے وقوع میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوگا، باقی یہ کہنا کہ جب اکٹھی تین طلاقیں دینا معصیت اور بدعت ہے تو وہ کیوں کر واقع ہوں گی صحیح نہیں ہے کیوں کہ کسی چیز کا ناجائز اور ممنوع ہونا اپنی جگہ پر ہے اور اس پر حکم شرعی کا مرتب ہونا اپنی جگہ پر ہے، کون نہیں جانتا کہ قتل و غارتگری، ارتداد، زنا اور غصب وغیرہ شریعت کی

---

[۱] دارقطنی [illegible]

نظر میں بڑے سنگین جرائم ہیں مگر اس کے باوجود ان پر احکام شرعی جاری ہوتے ہیں، لہذا کسی چیز کے ممنوع ہونے اور حرام ہونے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ شرعاً وہ چیز واقع بھی نہیں ہوگی۔

حدیث ۵

جمہور کے مسلک کی چھٹی دلیل حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی حدیث ہے جسے امام عبدالرزاق نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عبادة بن الصامت ان اباهُ طلق امرأتهُ الف تطليقة فانطلق عبادة فسألهُ صلى الله عليه وسلم فقال بانت بثلاث فى معصية الله وبقى تسعمائة وسبع وتسعون عدوانا وظلماً ان شاء عذبهُ الله وان شاء غفر لهُ۔"[1]

حضرت عبادہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے اپنی اہلیہ کو ایک ہزار طلاقیں دیدیں، حضرت عبادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کو ذکر کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی عورت تین طلاقوں سے بائنہ مغلظہ ہوگئی اور باقی نو سو ستانوے طلاقیں عدوان وظلم قرار پائیں اگر اللہ چاہے گا تو اسے اس کی حرکت پر عذاب دے گا یا اسے معاف کردے گا۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق ج۶ ص۳۹۳، فتح القدیر ج۳ ص۲۳۔

اگر دفعۃً دی گئی تین طلاقیں تین طلاقیں نہ ہوتیں تو آپ یہ ارشاد فرماتے کہ اس کی عورت پر صرف ایک طلاق رجعی پڑی، اسے رجعت کر لینے کا اب بھی اختیار ہے، حضرت عبادہ کی یہ روایت بھی مسلک جمہور کی واضح دلیل ہے۔

حدیث ۶

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی وہ مشہور حدیث ہے جو مجمع الزوائد اور سنن کبریٰ میں موجود ہے، کہ ایک شخص ان کے والد بزرگوار حضرت عمر بن الخطاب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ میں نے بحالتِ حیض اپنی بیوی کو طلاق بتہ (تعلق قطع کرنے والی اور اس جگہ مراد تین طلاقیں ہیں) دیدی ہے، انہوں نے فرمایا کہ تو نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے بالکل الگ ہو گئی، اور اب وہ تیرے لیے حلال نہیں، اس سائل نے عرض کیا کہ آپؓ کے بیٹے عبداللہ کے ساتھ بھی تو اسی طرح کا معاملہ پیش آیا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کو رجوع کا حق دیا تھا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا!

"فقال لہٗ عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرہٗ ان یراجع امرأتہٗ لطلاق بقی لہٗ وانہٗ لم یبق لک ما ترجع بہ امرأتک[1]" کہ بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بیٹے عبداللہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی سے

---

[1] مجمع الزوائد ج۴ ص۳۳۵ ۔ سنن الکبریٰ ج۷ ص۳۳۰ ۔

رجعت کرے مگر اس لیے کہ ایک طلاق باقی تھی (کیوں کہ
انہوں نے بحالت حیض اپنی بیوی کو دو طلاقیں دی تھی) اور
تیرے لیے تو اپنی بیوی سے رجوع کرنے کا حق نہیں کیونکہ
تیری طلاق باقی نہیں۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ چونکہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں نہیں دی تھیں، اس لیے ان کو رجوع کا حق دیا گیا مگر اس شخص نے تو اپنے حق رجوع کا ترکش بالکل خالی کر دیا تھا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی تھیں، اس لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب تم اپنی بیوی سے رجعت نہیں کر سکتے۔

حدیث ۷

بخاری شریف میں حضرت نافع سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی ایسے شخص کے بارے میں سوال کرتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

"قال اما أنت ان طلقت إمرأتك مرّة او مرتين فان رسول
الله صلی الله علیه وسلم امرني بهذا اى بالمراجعة وان
كنت طلقتها ثلاثا فقد حرمت عليك حتى تنكح زوجا غيرك
وعصيت الله فيما امرك من طلاق إمرأتك"[1]

کہ تم نے اگر اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو بیشک

---

[1] مسلم ج۱ ص۴۷۶ واللفظ لہ، بخاری ج۲ ص۸۰۳، دارقطنی ج۲ ص۴۳۳ -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس صورت میں) مجھے رجوع کا حق دیا تھا اور اگر تم نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو یقیناً وہ تم پر حرام ہو گئی ہے، اور جب تک وہ تیرے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کر لے اس وقت تک تیرے لیے حلال نہیں ہو گی۔ اور اس طرح طلاق دیکر تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی کی ہے۔"

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ تین طلاقوں کے بعد شوہر کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے، اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک دو طلاقوں کے بعد رجوع کرنے کا حق آنحضرتؐ سے ثابت ہے، لیکن تین طلاقوں کے بعد خواہ وہ متفرق طور پر دی گئی ہوں یا اکٹھی دی گئی ہوں رجوع کرنے کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ورنہ حضرت ابن عمرؓ اس کا حوالہ ضرور دیتے اور اس کے خلاف فتویٰ دینے کی جرأت وجسارت ہرگز نہیں کرتے۔ اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اس شخص نے ایک ہی بار تین طلاقیں دیدی تھیں، اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو وہ یہ نہ فرماتے کہ تو نے اس طرح طلاق دیکر اپنے رب کی نافرمانی کی ہے، کیونکہ ایک طہر میں ایک ایک طلاق دینے میں تعمیل حکم شریعت ہوتی ہے، نہ کہ معصیت ونافرمانی۔ اور اس سے قبل یہ بات گزر چکی ہے کہ دفعۃً تین طلاقیں دینا حضرت امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام اوزاعی، امام لیث بن سعد اور دیگر حضرات کے نزدیک مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اس طرح طلاق دینے والا خدا کی نافرمانی اور حکم شریعت کو توڑتا ہے، اسی بنا پر جب ایک صحابی نے دفعۃً

تین طلاقیں دیدیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ جو حضرات تین طلاق کو صرف ایک طلاق رجعی قرار دیتے ہیں وہ بڑے زور و شور سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اوائل خلافت میں تین طلاقیں ایک طلاق رجعی سمجھی جاتی تھی، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں انہیں تین قرار دیدیا اس کا تفصیلی جواب آئندہ سطور میں عرض کیا جائے گا یہاں پر صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ خود حضرت ابن عباس بھی اسی کے قائل تھے کہ دفعۃً تین طلاقیں دینے سے تین ہی پڑتی ہیں، چنانچہ طحاوی شریف اور سنن کبریٰ میں روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں، اب رجوع کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا! کہ تیرے چچا نے اس طرح طلاق دیکر خداوند قدوس کی نافرمانی کا طوق اپنی گردن میں ڈالا اور اب رجعت کی کوئی صورت نہیں بن سکتی۔ آنے والے نے کہا کہ کیا حلالہ کے ذریعہ بھی جواز کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی؟ اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ سے دھوکا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ دے گا[1]

اور سنن الکبریٰ میں ان سے ایک روایت اس طرح آئی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس کی خدمت میں آکر یہ سوال کیا کہ میں نے اپنی بیوی

---

[1] طحاوی ج ۲ ص ۲۹۔

کو تین طلاقیں دیدی ہیں، حضرت ابن عباس رضؓ نے سائل کے اس سوال پر سکوت اختیار فرمایا، ان کے اصحاب اور تلامذہ نے یہ خیال کیا کہ شاید وہ اس عورت کو اسے واپس دلانا چاہتے ہیں، مگر حضرت ابن عباس رضؓ نے فوراً ہی فرمایا کہ تم خود حماقت وجہالت کا ارتکاب کرتے ہو اور پھر کہتے ہو اے ابن عباس اے ابن عباس رضؓ بات یہ ہے کہ جو شخص خدا سے نہیں ڈرتا تو اس کے لیے کوئی راہ نہیں نکل سکتی، جب تم نے تین طلاقیں دیکر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے تو اب تمہارے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں، تمہاری بیوی اب تم سے بالکل الگ ہو چکی ہے تمہارے لیے حلال نہیں[1]

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ۱۰۰ طلاق دیدی پھر جب حضرت ابن عباس رضؓ سے اس کی بابت فتویٰ دریافت کیا گیا تو آپ نے یہ فتویٰ دیا کہ تین طلاقیں تو اس کی عورت پر واقع ہو چکی ہیں۔ باقی ننانوے کے ذریعہ اس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ مذاق وتمسخر کیا ہے[2] حضرت ابن عباس کی مذکورہ بالا تینوں روایات اس بات پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں، البتہ اس طرح طلاق دینے والا حکم شریعت کی مخالفت کی بنا پر معصیت خداوندی کا مرتکب ہوتا ہے صحابیٔ رسول حضرت ابن عباس رضؓ جمہور علماء امت کی طرح اسی کے قائل ہیں، کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی قرار پائے گی، اور اسی کے مطابق وہ زندگی بھر فتویٰ دیتے رہے۔

---

[1] سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۳۱ [2] موطا امام مالک ص ۱۹۹، دارقطنی ص ۴۳۰ ج ۲

امام جعفر بن محمدؒ کا فتویٰ

جمہور کی دسویں دلیل حضرت مسلمہ ابن جعفر الاحمسی کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت امام جعفر بن محمد جو اہل بیت میں سے تھے سوال کیا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے حماقت و جہالت میں مبتلا ہو کر اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدیں تو ان سب کو سنّت کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور اس صورت میں صرف ایک طلاق رجعی ہوگی، اور لوگ اسے آپ حضرات کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں، اس پر انہوں نے غضب ناک لہجہ میں فرمایا:

"قال معاذ الله ما هذا قولنا من طلق ثلثا فهو كما قال"[1]

انہوں نے فرمایا معاذ اللہ لوگ اسے ہماری طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ ہمارا یہ قول نہیں ہے، جس شخص نے تین طلاقیں دیدیں تو وہ تین ہی شمار ہوں گی۔

اس روایت سے واضح ہوا کہ اہل بیت کی طرف تین طلاقوں کا ایک ہونے کی نسبت کرنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے، اس مسئلہ میں حضرات اہل بیت بھی دیگر ائمہ اور جمہور امت کے ہمنوا ہیں، وہ حضرات بھی تین طلاقوں کو تین ہی سمجھتے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

---

[1] سنن الکبریٰ ج۷ ص۳۴۰۔

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ، تفسیری اقوال، احادیث رسول، آثار صحابہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک سے لے کر آج تک ہر زمانے اور ہر صدی میں تین طلاقیں تین ہی سمجھی گئی ہیں اور اس پر پوری امت کا اجماع و اتفاق ہے، ہر دور اور ہر عہد میں جمہور ائمہ امت اسی کے مطابق فتویٰ دیتے رہے ہیں۔ اہل بصیرت اور اہل عقل و خرد کے لیے یہ دلائل اور قرآن و حدیث کی نصوص کافی ہیں، جو لوگ فہم سلیم رکھتے ہیں، وہ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حق کیا ہے۔

اجماعِ امت

گزشتہ سطور میں اجمالاً یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ اس مسئلہ میں امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی پڑتی ہیں۔ علامہ ابوالبرکات عبدالسلام بن تیمیہ الحنبلی منتقی الاخبار میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے پر اجماع ہے[1]، اور حافظ احمد بن عبدالحلیم الحنبلی اپنے فتویٰ میں جمہور کا مسلک اس طرح نقل کرتے ہیں:

"ولما ثبت عندهم عن ائمة الصحابة انهم الزموا بالثلاث المجموعة قالوا لا يلزمون بذالك الا وذالك مقتضى الشرع و اعتقد طائفة لزوم هذا الطلاق ولذالك اجماع لكونهم لم يعلموا خلافا ثابتا"[2] ـــــــ اور جب ان حضرات ائمہ

لہ منتقی الاخبار ۔۔۔ ۲ہ فتاویٰ ج ۲

کے نزدیک صحابۂ کرام سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے تین اکٹھی
طلاقوں کو لازم قرار دیا ہے تو وہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرات
صحابہ کرام سے تو بلا دلیل شرعی ایسا نہیں ہو سکتا، لہٰذا اس اجماع
نے ان کے لزوم کا اعتقاد کیا اور یہ ان کے نزدیک اجماعی واتفاقی
امر ہے کیونکہ اس کے خلاف ان کے علم میں کچھ ثابت ہی نہیں۔"

معروف فقیہ امام ابو جعفر طحاوی نے اس مسئلہ میں صحابۂ کرام کا اجماع
اس طرح نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ خلیفہ راشد امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے تمام
لوگوں سے اس بارے میں خطاب فرمایا! اور ان میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے مقدس صحابۂ کرامؓ بھی تھے، جو بخوبی جانتے تھے کہ اس سے پہلے حضور اکرم ﷺ
کے زمانہ مبارک میں اس کے متعلق کیا ہوتا رہا؟ لیکن ان میں سے کسی نے
اس کا انکار نہیں کیا اور نہ کسی نے حضرت عمرؓ کے اس حکم کی تردید کی اور یہ ایک
بہت بڑی حجت اور دلیل ہے کہ اس کے خلاف جو پہلے ہوتا رہا وہ منسوخ
ہے، کیونکہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابۂ کرام کسی ایک عمل پر
متفق ہو جائیں تو لازماً وہ عمل پوری امت کے لیے حجت ہے، اسی طرح کسی
قول پر ان کا اجماع بھی لازماً حجت ہے اور جس طرح نقل پر ان کا اجماع وہم
وخطا سے پاک ہے اسی طرح رائے پر بھی ان کا اجماع وہم وخطا سے بری
ہے[1]

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ایک

---

[1] شرح المعانی الآثار ج ۲ ص ۲۹ -

مجلس کی تین طلاقوں کے واقع ہونے پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا تھا ان میں سے کسی ایک نے بھی اس اجماع سے اختلاف نہیں کیا اور نہ کسی منکر نے اس کا انکار کیا اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کا قولی وفعلی دونوں طرح کا اجماع حجت شرعی ہے۔

محقق ابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ طلاق ثلاثہ پر گفتگو فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جمہور حضرات صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ مسلمین کا یہی مذہب ہے کہ تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی اور اس پر وہ حضرات صحابہ کرام کا اجماع نقل کرتے ہیں[1] حافظ حدیث علامہ بدرالدین العینی الحنفی طلاق ثلاثہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جمہور علماء، کا جن میں تابعین، تبع تابعین اور بعد کے حضرات شامل ہیں یہ مذہب ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی، اور یہی حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام نخعی، اسحاق بن راہویہ، امام ابوثور، امام ابوعبیدؒ وغیرہم کا بھی مذہب ہے[2]

امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المالکی لکھتے ہیں کہ:

"والجمهور على وقوع الثلاث بل حكى ابن عبدالبر الاجماع قائلا ان خلافه شاذ لا يلتفت اليه"[3] ـــــ جمہور تین طلاقوں کے وقوع کے قائل ہیں، بلکہ امام ابن عبدالبر نے یہ کہتے ہوئے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس کے خلاف قول شاذ ہے اس کی

---

[1] فتح القدیر ج۳ ص۳۳ [2] عمدۃ القاری ج۲۰ ص۲۳۳ [3] زرقانی شرح موطا ص۱۶۷

طرف التفات ہی نہیں کیا جا سکتا ہے:

امام ابوالحسن علی بن عبداللہ المشطی نے کتاب الوثائق الکبریٰ کے نام سے ایک عمدہ کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن القیم جیسا محقق آدمی لکھتا ہے کہ اس جیسی کتاب اس باب میں اب تک کسی نے نہیں لکھی۔ اس کتاب میں موصوف علام طلاق ثلاثہ کی بحث کرتے ہوئے بڑے زوردار انداز میں لکھتے ہیں:

"الجمھور من العلماء علیٰ انہٗ یلزمہٗ الثلاث وبہ القضا وعلیہ الفتویٰ وھو الحق الذی لاشک فیہ"

جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ اگر کسی نے تین طلاقیں دیدیں تو وہ تینوں اس پر شرعاً لازم ہوں گی، یہی شریعت کا فیصلہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہی حق ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے"

مخالفین کے دلائل اور ان کے تحقیقی جوابات

جو حضرات تین طلاقوں کو صرف ایک طلاق رجعی قرار دیتے ہیں اور تین طلاق کے عدم وقوع کے قائل ہیں، ان کی پہلی دلیل جس کو کافی وزنی سمجھا جاتا ہے، وہ حضرت طاؤس کی روایت ہے، جیسے امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں روایت کیا ہے، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عن ابن طاؤس عن ابیہ عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین

من خلافة عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا
فی امر کانت لهم فيه اناة فلو امضيناه عليهم فامضاه عليهم[1]

حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا
کہ آنحضرت اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد اور حضرت عمرؓ کے ایام
خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک تین طلاقیں صرف
ایک شمار ہوتی تھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں نے اپنے
معاملہ میں جلد بازی سے کام لیا ہے، حالانکہ ان کو غور و خوض
کا موقع حاصل تھا، تو ہم کیوں نہ ان کو ان پر نافذ کر دیں۔

امام حاکم نے بھی مستدرک[2] میں اس روایت کو ذکر کیا ہے.....
مسلم شریف کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس سے ابو الصہبا
نامی ایک شخص نے یہ سوال کیا کہ کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ آنحضرت اور حضرت ابوبکر
اور عمر کی خلافت و امارت کے ابتدائی سالوں میں تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھا
جاتا تھا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہوتا رہا ہے[3]، امام مسلم نے اپنی دو
سندوں سے اس روایت کی تخریج کی ہے۔

جواب

جمہور کی طرف سے حضرت ابن عباس رضؓ کی اس حدیث کے کئی
جوابات دیئے گئے ہیں، جن میں سے صرف بعض کو ہم ازالۂ شکوک اور افادہ کی

---

[1] مسلم شریف ج۱ ص۴۷۷، [2] مستدرک ج۲ ص۱۹۶، [3] مسلم شریف ج۱ ص۴۷۷

غرض سے نقل کرتے ہیں (اول) مشہور محدث امام بیہقی سنن الکبریٰ میں فرماتے ہیں، کہ امام بخاری نے طاؤس کی اس روایت کی تخریج نہیں کی محض اس لیے کہ حضرت ابن عباسؓ کی جملہ صحیح روایات اس کے خلاف ہیں[1]

علامہ ابن رشد مالکی بدایۃ المجتہد میں اس روایت پر نقد و جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے جملہ جلیل القدر تلامذہ مثلاً حضرت سعید بن جبیرؒ، مجاہد، عطا، عمرو بن دینار اور ان کے علاوہ ان کے شاگردوں کی ایک خاص جماعت اس کے خلاف روایت کرتی ہے، صرف طاؤس اس پوری جماعت کے خلاف روایت کرتے ہیں[2]

نیز حضرت طاؤس کی مذکورہ بالا روایت بھی مطلق نہیں ہے، بلکہ ان کی روایت میں بھی غیر مدخول بہا کی قید صراحۃً موجود ہے، چنانچہ علامہ علاء الدین المارديني ابن شیبہ کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ:

"ذکر ابن ابی شیبۃ بسند رجالہم ثقات عن طاؤس و عطاء و جابر بن زید انہم قالوا اذا طلقہا ثلاثا قبل ان یدخل بہا فہی واحدۃ[3] ——— محدث ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ جس کے تمام راوی ثقہ ہیں، حضرت طاؤس اور عطا، اور جابر بن زید سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی غیر مدخول بہا عورت کو تین طلاقیں ایک ساتھ دیدے تو وہ ایک ہی ہوگی۔"

---

[1] سنن الکبریٰ ج۷ ص۳۳۷ [2] بدایۃ المجتہد ج۲ ص۹۱ [3] جوہر النقی علی البیہقی ج۲ ص۳۳۱

ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت طاؤس کی اپنی روایت بھی مطلقاً تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کے حق میں نہیں۔ یہ بلکہ یہ حکم صرف اس عورت کا ہے جسے خلوت و یکجائی سے پہلے تین طلاق دی گئی ہو، پس حضرت طاؤس کی ابن عباس رض والی روایت صرف غیر مدخول بہا عورت سے متعلق ہے، اور وہ بھی جب کہ کوئی شخص غیر مدخول بہا کو متفرق طور پر ایک ہی مجلس میں "أَنْتِ طَالِقٌ، أَنْتِ طَالِقٌ، أَنْتِ طَالِقٌ" کہہ کر تین طلاقیں دی ہوں، اور اس صورت میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ ائمہ اربعہ وغیرہم کا بھی یہی مذہب ہے[1]

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رض کی یہ روایت منسوخ ہے، چنانچہ امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ حضرت امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ بعید نہیں کہ یہ روایت جو حضرت ابن عباس رض سے مروی ہے منسوخ ہو ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا ایک حکم ان کو معلوم ہو اور پھر وہ دیدہ و دانستہ اس کے خلاف عمل کرتے اور کھلے عام فتویٰ دیتے ہوں[2] نیز اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ اگر کسی حدیث کا راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دیتا ہو تو اس کی روایت پر عمل نہیں کیا جائے گا، ابن عباس رض اس روایت کے خلاف فتویٰ دیتے تھے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

دوسری دلیل

ان حضرات کی دوسری دلیل حضرت رکانہ کی روایت

[1] سنن البیہقی ج۷ ص۳۳۵ [2] سنن البیہقی ج۷ ص۳۳۸

ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے رکانہ تم اپنی بیوی سے رجوع کرلو، انہوں نے کہا کہ حضرت میں نے تو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں، اب کیسے رجوع کروں، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں تم رجوع کرلو، امام ابوداؤد نے اس کی تخریج کی ہے، روایت کے بعض الفاظ یہ ہیں:

"فقال انی طلقتها ثلاثا یارسول اللہ قال قد علمت راجعها"[۱]

انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے تو اسے تین طلاقیں دیدی ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اس کا علم ہے رجوع کرلو"

جواب

اس روایت سے تین طلاقوں کے عدم وقوع پر استدلال واحتجاج چند وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس روایت کی سند میں بعض بنی ابی رافع کا جملہ مجہول ہے چنانچہ علامہ نووی شارح مسلم حضرت رکانہ کی اس روایت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

"واما الروایة التی رواها المخالفون ان رکانة طلق ثلاثا فجعلها واحدة فروایة ضعیفة عن قوم مجهولین وانما الصحیح منها ما قدمناه انه طلقها البتة ولفظ البتة محتمل للواحدة وللثلاث ولعل صاحب هذه الروایة الضعیفة اعتقد ان لفظ البتة

---

[۱] ابوداؤد شریف ص ۲۹۸ تا ۲۹۹ ج ۱ -

یقتضی الثلاث فرواہ بالمعنی الذی وغلط فی ذلک[1]۔

اور بہرحال وہ روایت جسے مخالفین روایت کرتے ہیں، کہ حضرت رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں اور آپؐ نے انہیں ایک ہی قرار دیا تو یہ روایت ضعیف ہے کیوں کہ اس میں مجہول راوی موجود ہے، حضرت رکانہ کی صحیح روایت وہ ہے جسے ہم نے اس سے قبل ذکر کیا ہے کہ انہوں لفظ "البتہ" کے ذریعہ طلاق دی تھی اور لفظ البتہ ایک اور تین دونوں کا احتمال رکھتا ہے پس اس ضعیف روایت کے راوی نے یہ خیال کیا کہ لفظ البتہ تین کا احتمال رکھتا ہے، لہٰذا اس نے روایت بالمعنی اپنی فہم کے اعتبار سے بیان کر دی اور اس میں مغالطہ کھایا۔[2]

اور علامہ ابن حزم اندلسی اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں، کہ اس میں راوی حدیث ابن جریج بعض بنی ابی رافع سے روایت کرتے ہیں اور بعض بنی ابی رافع مجہول ہیں اور مجہول سند سے حجت قائم نہیں ہو سکتی ہے[3] امام حاکم نے مستدرک میں اس روایت کی تخریج کی ہے تو اس میں بعض بنی ابی رافع کی تعیین بھی ذکر کی ہے کہ وہ محمد ابن عبید اللہ بن ابی رافع تھے، مگر خود محمد بن عبید اللہ نہایت ہی ضعیف اور کمزور راوی ہے[4]۔

ثانیاً یہ کہ حضرت رکانہ کی صحیح روایت میں جانے تین طلاق کے

---

[1] نووی شرح مسلم ج۱ ص۴۷۸ باب طلاق الثلاث۔ [2] محلی ج۱ ص۱۶۸۔ [3] بذل ص۹۶ ج ۳

[4] میزان ج۳ ص۹۶، تہذیب التہذیب ص۳۲۱ ج ۹

"البتہ" کا لفظ ہے یعنی انہوں نے اپنی بیوی کو لفظ "البتہ" کے ذریعہ طلاق دی تھی، جیسا کہ علامہ نووی کی تحقیق گزری، خود حضرت امام ابوداؤد رح بھی لفظ "البتہ" والی روایت کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں:

"وھذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانۃ طلق إمرأتہ ثلاثا لانھم اھل بیتہ وھم اعلم بہ"[1] حضرت رکانہ کی یہ روایت (جس میں لفظ البتہ موجود ہے) ابن جریج کی روایت سے زیادہ صحیح ہے جس میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں کیونکہ لفظ البتہ والی حدیث حضرت رکانہ کے گھر والے بیان کرتے ہیں اور گھر والے دوسروں کے مقابلہ میں حضرت رکانہ کے واقعہ سے زیادہ باخبر تھے۔"

اور علامہ شوکانی حدیث رکانہ پر مبصرانہ گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والثبت ماروی فی قصۃ رکانۃ انہ طلقھا البتۃ لاثلاثا"[2] حضرت رکانہ کے واقعہ میں صحیح یہ ہے کہ انہوں نے لفظ البتہ کے ذریعہ طلاق دی تھی نہ کہ تین۔"

اور علامہ نووی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض راویان حدیث نے لفظ البتہ کو تین سمجھ کر ثلاثا کا لفظ اپنی غلط سمجھ کے مطابق بڑھا دیا، الغرض حضرت رکانہ کی اس حدیث سے تین طلاقوں کو ایک

---

[1] ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۳۰۱ کتاب الطلاق، [2] نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۴۶ ۔

قرار دینا، اور پھر تین طلاقیں دینے کے بعد خاوند کو حق رجوع دلوانا، ظلمات بعضها فوق بعض کا مصداق ہے اور ظاہر ہے کہ حلال و حرام کے بنیادی مسئلہ میں اس طرح کی ضعیف اور ساقط الاعتبار روایت کیونکر معتبر ہو سکتی ہے، پھر وہ بھی صحیح اور صریح روایات اور اجماع امت کے مقابلہ میں، فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْاَبْصَار -

مآخذ

القرآن الکریم ________________

الجامع الصحیح ______ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ

الجامع الصحیح ______ امام مسلم بن حجاج قشیریؒ

جامع الترمذی ______ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ

سنن نسائیؒ ______ امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائیؒ

سنن ابی داؤد ______ امام سلیمان بن الاشعث ابو داؤد سجستانی

سنن ابن ماجہ ______ امام ابو عبداللہ محمد بن یزید قزوینی

دار قطنی ________________

مشکوٰۃ شریف ______ امام محی السنۃ البغوی

السنن الکبریٰ ______ امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی ۔

فتح الباری ______ حافظ ابن حجر عسقلانی ۔ شافعی

المیزان الکبریٰ للشعرانی ________________

لسان العرب ______ ابن منظور افریقی

المنجد فی اللغۃ والادب والعلوم ________________

ہدایہ ______ برہان الدین مرغینانی

فتح القدیر ـــــــ علامہ ابن الہمام
الجوہرۃ النیرۃ ـــــــــــــــ
البحر الرائق ـــــــ علامہ ابن نجیم مصری
درمختار ـــــــ علاء الدین الحصکفی
رد المحتار ـــــــ علامہ ابن عابدین شامیؒ
خلاصۃ الفتاویٰ ـــــــ علامہ طاہر بن عبد الرشید البخاری
الفتاویٰ التاتارخانیہ ـــــــ علامہ عالم بن العلا الانصاری
الفتاوی الہندیہ ـــــــ (عالمگیری)
بدائع الصنائع ـــــــ علامہ علاء الدین کاسانی
حجۃ اللہ البالغہ ـــــــ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
الحیلۃ الناجزۃ ـــــــ مولانا اشرف علی تھانویؒ
کتاب الفسخ والتفریق ـــــــ مولانا عبد الصمد رحمانیؒ
پردہ ـــــــ مولانا مودودیؒ
اسلام اور نکاح ـــــــ (مفتی) نسیم احمد قاسمی

ذکر سیّد الکونین ﷺ

شرح قصیدۂ بردہ

دو شہرہ آفاق قصیدہ جو حالت مرض میں، خواب میں حضور اکرم ﷺ کو مصنف نے سنایا۔ اسکے سننے کے بعد حضور ﷺ نے اپنی بردہ (چادر) علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ پر ڈالی جب ان کی آنکھ کھلی تو انہوں نے اپنے آپ کو مکمل صحت مند پایا۔ علماء کرام اور صوفیاء حضرات میں اس کے پڑھنے پڑھانے کا معمول رہا عوام و خواص نے اس کو بیماریوں اور مشکلات میں مجرب پایا۔

مولانا مختار احمد اصلاحی اعظمی

مع منظوم اردو ترجمہ

محترم جناب انصار احمد کامل صاحب چایلی الہ آبادی

حسب فرمائش

حضرت سیّد رضی الدین احمد فخری رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و پیشکش: فہیم اشرف نور

شفیق سنز

صدر بوہری بازار کراچی

فون : 5677101 - 515101

کاؤنٹر : 5862979 - 5838747 فیکس : 5682345